

نوشہ یادیوں کی

(۳۶ تا اثراتی مضامین کا مجموعہ)

تمہیں کس طرح بھولوں میں شتاسائی کچھ ایسی تھی
مرے ہر گوشہ دل میں ابھی یادوں کی خوشبو ہے

صلاح الدین نیسے

جملہ حقوق یہ حق مصنف محفوظ ہیں

تاریخ نمونہ اشاعت	۵ جنوری ۲۰۰۳ء
تعداد صفحات	۲۰۶
تعداد اشاعت	۵۰۰
قیمت	۱۵ روپے
لائسنسیری ایڈیشن	۲۰۰ روپے
کتابت	سید انور احمد
طباعت	اعجاز پرنٹنگ پریس چھپتہ بازار حیدر آباد
ناشر	صلاح الدین نیشر

ملنے کا پتہ

سیاست سبیل کاؤنٹر	جواہر لال نہرو روڈ	حیدر آباد ۱
حسانی بک ڈپو	مچھلی کمان پتھر گٹی	حیدر آباد ۲
مصنف - کھکشاں	۸۲۴/۴ - ۳ - اے پی	حیدر آباد ۱
فون نمبر	3340015	

انتساب

اس کتاب میں شامل اُن تمام قلم کاروں کے نام
جن کی ”یادوں کی خوشبو“ آج بھی میرے اوراقِ دل
کو ہکا بہکا رہی ہے۔

صہبہ الدین نیسر

ترتیب و تزئین

- ۶ صلاح الدین نیستہ خوشبو یادوں کی
- ۹ بامصل باکردار اعلیٰ انسان سابق وزیر داخلہ نواب میر احمد علی خان
- ۱۵ سکریٹریٹ اردو اسکولیں کے قیام، مصنفہ مزاج نگار بھارت چند کھنہ
- ۱۶ معتبر استاد سخن و صنعت دار شخصیت تاج قریشی
- ۲۳ سکریٹریٹ کے تاج بادشاہ نامور کسٹمر غلام احمد
- ۲۳ پیر خلوص سادہ مزاج بے حد شریف انسان سید سکندر شاہ
- ۳۱ حیدر آبادی تہذیب نگار، نئیہ خانوں ممتاز شاعر ادیب عظمت عبدالقیوم
- ۳۴ کہکشاں کچھنے والی اردو فارسی کی نامور شاعرہ ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید
- ۴۳ مدبر خاتون دکن صاحبہ مزاج، نئیہ صفت آبرو مکن صالحہ الطاف
- ۴۶ بہترین نعت گو و صنعت دار شاعر حسین ہزنی
- ۵۱ مشاعرہ دکن کے ناگزیر خوش گلو انساندا شاعر طالب رزاقی
- ۵۷ نامور صحافی بہترین انسان فرض شناس شخصیت ہاشم سعید
- ۶۴ صاحب گو پاک طعن کھر انسان، مصنفہ انسانہ نگار عاتق شاہ
- ۷۰ عالمی مشاعرہ دکن کے ہانی، شاعروں ادیبوں کے سرپرست علی صدیقی
- ۷۸ متاسروں کے کامیاب شاعر ابن احمد تاب
- ۸۴ خوش فکر خوش گلو، جاذب نظر، بہار شخصیت ساجد رضوی
- ۹۰ نمائش سوانحی کی فعال شخصیت۔ ہمدرد انسان محی الدین حیدرانی
- ۹۶ نامور خوشنویس اور خوش طبع انسان غوث شاہد

- ۱۰۲ طغتر مزاج کے منفرد شاعر، پامروت شخص
 ۱۰۹ خوش گو، خوش گلو اور خوش مزاج شاعر
 ۱۱۱ نامور مزاج نگار، مشرق آدنی
 ۱۱۸ خاموش لب، نفیس زبان، ممتاز مزاج نگار
 ۱۲۵ سلسلہ دوز و شب کے کامیاب شاعر، مغل کے آدمی
 ۱۲۷ کہنہ مشوق شاعر، باکرہ دار اور مخلص انسان
 ۱۳۷ حلیم الطبع، رفیق القلب، خوش مزاج شخصیت
 ۱۴۱ پولیس آفیسر کی ترم و نازک شاعری
 ۱۴۵ خوش بکاش طہار شاعر، فاضل حج، ممتاز عثمانین
 ۱۵۳ صوفی منش، کم آئینہ استاد سخن
 ۱۵۷ سرزمین بید کے نامور شاعر، ممتاز عثمانین، استاد شاعر
 ۱۶۳ کوڑنگی کے نامور کہنہ مشوق شاعر
 ۱۶۸ قلندر مزاج، بے نیاز شاعر
 ۱۷۲ شعرا و نواز شخصیت، دلدادہ شعر و سخن
 ۱۸۰ محبوب جگر، سربر آمدہ شخصیت، شاعر و مکار
 ۱۸۶ یاکش، مخلص شخصیت، معروف سخنور
 ۱۹۱ کامیاب کمال اردو کے خدمت گزار، مشہور سمندر
 ۱۹۶ قلندرانہ طبیعت رکھنے والے مخلص شاعر
 ۲۰۱ مہذب و رفیق استاد، محترم شخصیت
 ۲۰۶
- بگس حیدر آبادی
 • اکمل حیدر آبادی
 • مسیح انجم
 • رحیم الدین توفیق
 • عزیز بھارتی
 • جوہر ہاشمی
 • سید نور محمد
 • امیاجی راؤ شاہ
 • سکندر علی وجہ
 • عطا علی لوی
 • رشید احمد رشید
 • داسودرزی شاہ
 • سرور مرزائی
 • عبد الرزاق صولت
 • یس اے عزیز
 • صابر شاہ آبادی
 • وحید مرزا
 • حکیم جمالی
 • صبیح الحسن

خوشبودوں کی

”خوشبودوں کی“ میری ۲۸ ویں کتاب ہے جس میں میری ۶ سترہ نثرانی مضامین شامل ہیں اور جو ۱۶ صفحہ پر مشتمل ہے اس کتاب سے پہلے میری اور مجھ سے متعلق ۱۲ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں گیارہ شعری مجموعے شامل ہیں اس کتاب میں جن شخصیتوں پر میرے مضامین شامل ہیں وہ بادشاہی کا حصہ بن چکی ہیں جو نثر بھی تھے، ادیب بھی، ادا منظر بیڑ بھی تھے، قانون دان بھی، صحافی بھی تھے معلم بھی، فنکار بھی تھے صلاح کار بھی۔ اس کتاب میں میں نے حیدر آباد، اضلاع آندھرا پرادیش اور اضلاع حیدر آباد دکن سے تعلق رکھنے والی ایسی شخصیتوں پر لکھے ہوئے مضامین شامل کیے ہیں جنھوں نے اپنے اپنے شعبہ حیات میں قابلِ قدر و نمایاں خدمات انجام دیں یہ تمام ایسے لوگ ہیں جن سے میں شخصی طور پر واقف ہوں جن کے ساتھ میں شعری و ادبی تہذیبی و ثقافتی محفلوں میں شریک رہا ہوں۔ جن کا مجھے تعاون حاصل رہا اور جنھیں میں نے ایسا تعاون دیا تھا۔ اس کتاب میں شامل مضامین کے ذریعہ سے میں ان شخصیتوں کو خراج عقیدت پیش کرنا چاہتا ہوں جن کی ”یادوں کی خوشبو“ میرے جسم و جاں کو مہکا رہی ہے میں یہ بتاؤں واضح کر دیتا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں نے صرف ان ہی شخصیتوں پر قلم اٹھایا ہے جن کا زندگی کے کسی نہ کسی حصہ میں مجھ سے تعلق رہا ہے اور جنھیں میں نے قریب سے دیکھا ہے اور پرکھا ہے ایسی بہت سی شخصیتیں ہیں جن سے میری علیک سلیک ہوئی ہے لیکن دل و دماغ نے ان سے کوئی تاثر قبول نہیں کیا، ظاہر ہے ہر ملنے جلنے والا شخص دوست نہیں بن سکتا۔

میر نائراتی مضامین پر مشتمل میری دو کتابیں ۲۰۰۱ء میں اور دو کتابیں ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئیں۔ ۲۰۰۱ء میں ایک اور ضخیم کتاب ”عالم الطاف فن اور شخصیت“ بھی شائع ہوئی جو ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ خوشبو یادوں کی ۲۰۰۳ء کی پہلی کتاب ہے۔ خوشبو سے بہاراں (۲۰۰۱ء) میں بہ قید جہاں ۲۰ شخصیتوں پر، ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے میں ۲۱ شخصیتوں پر، (جو اوراقِ ماضی سے تعلق رکھتی ہیں) ان کے علاوہ روشنی خوشبو ملک (۲۰۰۲ء) میں بہ قید جہاں ۲۰ شخصیتوں پر اور ۲۰۰۳ء میں ایک اور کتاب ”ملک پھولوں کی“ جس میں ۴۴ بہ قید جہاں شخصیتوں پر مضامین شامل ہیں اس طرح (۲۰۰۱ء اور ۲۰۰۲ء) دیگر ۷ سال کی مدت میں میں نے نائراتی مضامین پر مشتمل چار کتابیں لکھیں جن میں ۴۵ شخصیتیں شامل ہیں اس کتاب خوشبو یادوں کی (۲۰۰۳ء) میں ۳۶ مضامین شامل ہیں اس طرح اس مختصر عرصہ میں ۵ کتابوں میں ۱۹۰ شخصیتوں پر میرے نائراتی مضامین شائع ہو چکے ہیں ان کتابوں کے علاوہ میری پہلی کتابوں سلسلہ پھولوں کا (۱۹۹۲ء) پھروسی پر چھائیاں (۱۹۹۳ء) اور کہکشاں (۱۹۹۱ء) میں بھی زائد از ۵۰ شخصیتوں پر میرے نائراتی مضامین شامل ہیں جس مجموعی سلسلہ میں کچھ شخصیتوں پر مضامین کا اقتباس شامل کیا ہے تاکہ قارئین کو کچھ لوگوں کی کمی کا احساس نہ ہو اسی سلسلے کی ایک کتاب سائبانی (محبوب حسین جگر ۱۹۹۶ء) بھی ہے اس کتاب میں محبوب حسین جگر جو ایڈیٹر سیاست کی شخصیت اور صحافتی خدمات کے علاوہ خدیجہ علی خان مدیر سیاست کی خدمات پر بھی میں نے روشنی ڈالی ہے۔ میں نے اپنی ۴۴ سالہ ادبی زندگی میں کئی سو ویرنر تیرس ایسے یوں زائد از ۵۰ کتابیں میری زیرِ نگرانی شائع ہوئیں۔ خدا

کا شکر ہے کہ میری سبھی کتابیں ادبی حلقوں اور عام پڑھنے والوں میں پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔ سالِ رواں میں انشاء اللہ خوشبو کا سفر کے منتخب اداریوں پر مشتمل کتاب شائع ہوگی اور مجموعہء کلام بھی شائع ہوگا۔

جناب الوزر مسعود صاحب نے نہایت ذمہ داری کے ساتھ کتابت کی

من کا میں ممنون ہوں۔ اعجاز پریس کے مالک اختر از محمد اور ان کے چچا ممتاز احمد نے بھی مجھے اپنا بھرپور تعاون دیا میں ان دو حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں اپنے ان تمام دوستوں کا بھی سپاس گزار ہوں جو میرے شعری ادبی مصروفیات کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

صلاح الدین نیئر

کہکشاں - حیدرآباد

تواب میر احمد علی خان

(با اصول، با کردار، اعلیٰ انسان، سابق وزیر داخلہ)

جہاں کہیں بھی شہر کی وضع دار شخصیتوں کی فہرست ترتیب دی جائے گی وہاں مرتبین فہرست کو قطعی یہ دشواری پیش نہیں آئے گی کہ اولیت کن کن شخصیتوں کو دی جائے۔ اس بات کا انحصار ان مرتبین کے مشاہدات، تجربات پر ہے کہ وہ ہر وضع دار شخص کے بارے میں کس حد تک واقفیت رکھتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ بیک نظر کسی کے بارے میں قطعی رائے قائم کی جائے۔ پہلے اُس مخصوص شخص کی مکمل زندگی کا جائزہ لیا جاتا ہے اُس کے اطوار، اُس کے رہن سہن، اُس کے اخلاق اور معاشرہ میں اس کے طرز عمل کی کیا اہمیت ہے اس پر غور کیا جاتا ہے۔ وضع داری ایک ایسی مکمل کیفیت کا نام ہے جس کے اطراف اجالوں کا تیز تر گزرنے کا طوہ نامہ ہوتی ہیں۔ اُجالوں کے ماحول میں جن کی بھی زندگی گزرتی رہتی ہے وہ اپنی اصول پسندی اپنے عہدہ خصلت کی روشنی میں اپنی قابل ستائش سرگرمیوں میں مصروف رہا کرتے ہیں وضع دار لوگ اپنی عہدہ رکوش پر تاحیات قائم

رہتے ہیں۔ وضع دار لوگ الگ پہچانے جلتے ہیں وضع دار لوگوں میں اقدار
 اعلیٰ، تہذیب گذشتہ اور مہذب معاشرہ کی جلوہ سامانیاں ہر وقت چھلکتی
 رہتی ہیں۔ کچھ لوگوں کی حرکات و سکنات سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وضع دار
 لوگ ہیں ویسے بھی اتنی بڑی سوسائٹی اور اتنے وسیع معاشرہ میں وضع داروں
 کی تعداد بہت کم رہتی ہے ایسے لوگ وضع داری کی اولین فہرست میں نمایاں
 رہتے ہیں جن کی ساری زندگی آئینہ صفت، یا اصول اور نیک سامعینوں
 کی رہنمائی منت رہا کرتا ہے۔ اگر ہم ہمارے شہر کی وضع دار شخصیتوں کی فہرست
 مرتب کریں تو ہمیں کچھ نام تو ایسے مل جائیں گے جو زیادہ نمایاں ہیں۔ ان
 نمایاں لوگوں میں ایک اہم نام نواب میر احمد علی خان صاحب کا بھی ہے۔ میں
 اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی بنیاد پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ نواب میر احمد علی خان بھی
 حیدرآباد کے وضع دار لوگوں میں سے ایک تھے۔ نواب میر احمد خان صاحب
 کو میں تقریباً ۲۵ برس سے جانتا ہوں۔ وہ میرے کرم فرمائے ہیں حالانکہ میں ایک
 نووارد شاعر تھا مگر انہوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی۔ میں نے ان کی موجودگی
 میں اکثر شاعرانہ پٹریں پڑھی ہیں نواب میر احمد علی خان انجمن ترقی اردو آئندہ رپورٹس
 کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ اُس زمانے میں مولوی حبیب الرحمن محمد انجن تھے
 نواب میر احمد علی خان صاحب برسوں انجمن ترقی اردو سے وابستہ رہے اور اپنے
 اعلیٰ اشرد و سونخ سے زبان و ادب کی خدمت کی۔ ان کے زمانے میں انجمن ترقی
 اردو کی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ جناب عاید علی خان شریک محمد تھے ڈاکٹر دراج
 پھادر گوڈ، منوہر راج بکینہ، ڈاکٹر حبیب شاہد اور سری نواس لاپوٹی بھی سرگرم علی

رہا کرتے تھے۔ نواب صاحب کی سرکردگی میں نے کئی اضلاع کے مشاعرے پڑھے ہیں اُس زمانے میں نظریاتِ ہر ضلع میں انجمنِ نثری اُردو کے سالانہ جلسے ہو کرتے تھے۔ جن میں مشاعرہ کا بھی اہتمام رہتا تھا مغل پورہ میں اُردو گھر کے قیام کے سلسلے میں ہی نواب میر احمد علی خان نے خاصی دلچسپی لی۔ نواب صاحب صنعتی نمائش کے بانیوں میں سے ایک تھے۔ کئی برس تک شرافتھی سوسائٹی سے وابستہ رہے۔ جس زمانے میں میں اُردو مجلس کا سکریٹری تھا نواب صاحب ادبی جلسوں اور مشاعروں میں یہ پابندی شرکت کرتے تھے۔ میں ۸ برس تک اُردو مجلس کا سکریٹری رہا۔ اُس دور میں شہر کے تقریباً تمام اہم سینیٹرز جو نیر ادباء و شعراء شریکِ محفل رہتے۔ شہر کے سینیٹر مٹا ہیر میں خاص طور پر میر احمد علی خان، ہارون خان شروانی، مولوی حبیب الرحمن رائے جاتکی پرشاد وغیرہ موجود رہتے تھے۔ نواب میر احمد علی خان کانگریس جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ نواب صاحب کانگریس کے دورِ حکومت میں حکومت آندھرا پردیش میں وزیر داخلہ رہ چکے ہیں۔ جس زمانے میں سابق چیف منسٹر آندھرا پردیش جناب نیلم سینجواری بڑی صدر جمہوریہ ہند مقرر ہوئے تھے اُس وقت میں شہر یانِ حیدرآباد و ملکِ ہند آباد کی جانب سے پبلک کارڈن (باغ عامہ) میں شایانِ شان پیمانے پر ان کا خیر مقدمی جلسہ منعقد ہوا تو اس جلسے میں صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں نہایتی نظم سنانے کے لیے نواب صاحب نے مجھ سے خواہش کی تھی حالانکہ اُس زمانے میں حیدرآباد میں بہت ہی اچھے اچھے شاعر موجود تھے لیکن نواب صاحب نے مجھ سے اپنی محبت اور میری شاعری کو اپنی پسندیدگی کی سند عطا کرتے ہوئے پیر و گرام میں میر انام شامل کیا۔ میری نظم

سکافی پسند کی گئی۔ جب میں نے اپنی نظم ختم کی تو صدر جمہوریہ نے اپنی کرسی سے اٹھ کر مجھ سے اظہارِ خوشنودی کے طور پر کھٹا فٹ کیا۔ اس جلسے میں ڈاکٹر سی نارائن ریڈی نے ننگوہ میں اپنی تہنیتی نظم سنائی تھی ڈاکٹر سی نارائن ریڈی سے اس تقریب میں میرا پہلا تعارف تھا۔ اردو شاعر کی حیثیت سے مجھے ہی مدعو کیا گیا تھا۔ نواب میرا احمد علی خان ادبی ٹرسٹ کے بھی صدر نشین رہ چکے ہیں جس کے بانی سکریٹری جناب عابد علی خان مذہبِ روزنامہ سیاست تھے جو تا دمِ حیات اس عہدہ پر فائز رہے ادبی ٹرسٹ کے اجلاسوں میں نواب صاحب کی رائے کو تمام ارکانِ قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اس دور کے صدر نشین میں مولوی حبیب الرحمن، حامد علی عباسی، اہل۔ ابن گپتا، محمد مومنی الدین بھی تھے اہل۔ ابن گپتا سکریٹری فینانس حکومتِ آندھرا پردیش بھی ادبی ٹرسٹ کے صدر رہے۔ حامد علی عباسی سکریٹری فینانس حکومتِ آندھرا پردیش بھی صدر نشین ادبی ٹرسٹ رہے اور جناب ہاشم علی اختر سکریٹری کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ سکریٹری بھی صدر نشین رہے۔ اس وقت ڈاکٹر سید عید المنان ادبی ٹرسٹ کے صدر نشین ہیں اور جناب زاہد علی خان صاحب دبیرِ سیاست منیجنگ ٹرسٹی ہیں نواب صاحب کی صدر نشینت کے دور میں ان کے مفید مفوروں سے ٹرسٹ کے مالیے کو مستحکم کرنے کے لیے بار آور کو مشین جاری رہیں۔ ادبی ٹرسٹ کے تمام ارکان ٹرسٹ کے مسائل کو خوش اسلوبی کے ساتھ طے کرتے تھے۔ نواب احمد علی خان منغل پورہ میں سکونت پذیر تھے ویسے ان کا ایک مکان بنجارا ہلتر میں بھی ہے منغل پورہ میں ان کی دیورھی واجد منشن “پیرانے شہر کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز رہا

کرتی تھی جس میں مختلف اُردو انجمنوں کی جانب سے دفعتاً فوجتاً جلسے اور مشاعرے ہو کر تھے میں نے بھی وہاں کئی جلسوں اور مشاعروں میں شرکت کی ہے سبیت کے سیکرٹری سب ایڈیٹر جناب ذہانت علی بیگ کی کاوشوں سے منعقدہ ایک یادگار مشاعرہ مجھے یاد ہے جس میں ممتاز شاعر جاں نثار اختر نے بھی شرکت کی تھی اس مشاعرہ میں شہر کے نمائندہ شاعروں نے کلام مسنایا تھا۔ میں نے بھی اپنے مشاعرہ دوستوں کے ساتھ مشاعرہ میں شرکت کی تھی کئی برسوں تک نواب صاحب کی عنایت سے ان کے دولت خلعے پر اُردو کے جلسے اور مشاعرے ہوتے رہے۔ کبھی کبھی سٹی پیس کمیٹی کے جنرل سکرٹری غلام صادق الدین مختلف نوعیت کے جلسے منعقد کرتے ہیں مشاعرہ کا بھی اہتمام رہتا ہے غلام صادق الدین کی ذہنی تربیت میں نواب صاحب کی سرپرستی کو بہت بڑا دخل رہا ہے۔ نواب صاحب کی سرپرستی اور شخصی دلچسپی سے ہی غلام صادق الدین نے گو لکھنؤ میں اُردو ماڈل اسکول قائم کیا الحمد للہ اسکول آج گو لکھنؤ کے مدارس میں اپنی انفرادیت کے ساتھ شہرت رکھتا ہے عابد علی خان صاحب اور جناب محبوب حسین جگر صاحب بھی اس اسکول کی ترقی کے لیے دلچسپی لیتے تھے۔ اسکول کی بعض تقاریب میں بھی ان محترم شخصیتوں نے شرکت کی ہے نواب صاحب کچھ زیر سرپرستی پیروان چٹھہیے والے اور کئی لوگ ہوں گے لیکن جہاں تک میں واقف ہوں ان تمام میں غلام صادق الدین صاحب کو اولیت حاصل ہے۔ نواب صاحب پابندِ صوم و صلوٰۃ، نیک صفت، بامروت، ہمدرد، اعلیٰ کردار کے حامل انسان تھے نہایت سنسکرت مزاج، شریف النفس، محبت شناس، اعلیٰ ظرف تھے

وضع داری کی روشن علامت تھے اُن کی ساری زندگی شفاف آئینہ کی طرح
 گزری۔ بے شمار فلاحی کام کیے۔ بے شمار غریبوں، محتاجت مندوں کی مدد کی۔
 زندگی بھر اصول پسند رہے کسی بھی شخص کا دل نہیں دکھایا۔ نیکیاں تقسیم کرتے
 رہے۔ بے حد پاک باز، اعلیٰ درجہ کے انسان تھے نہایت سادہ زندگی
 گزارتے تھے نہایت سیدھی سادھی پوشاک پہنتے تھے ہمیشہ انھیں
 شیر وانی زیب تن کرتے دیکھا ہے اگرچہ وہ پکے کانگریسی تھے لیکن دوسری
 سیکی جماعتوں کی مخالفت انھیں کرنے تھے تمام سیاسی جماعتوں میں انھیں
 قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ نواب صاحب کو اردو شاعری سے بے حد
 لگاؤ تھا میں اپنے ابتدائی شعری مجموعوں کی رسم اجراء تقریب کے موقع پر انھیں
 زحمت دینا ہادہ بہ خوشی شریف لائق تھے انھیں اردو زبان، اردو
 تہذیب سے والہانہ دلچسپی تھی۔ جن لوگوں کی شخصیت پر شرافت کی
 ہر گائی جاتی ہے ان میں نواب میر احمد علی خان صاحب بھی تھے۔

بھارت چند کھنہ

(سکرٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے پہلے صدہ منفرد مزاح نگار)

جناب بھارت چند کھنہ نے میرے کہنے پر شے مار لو جو انوں کے پاس پور قلم کی تصدیق کی جن کی وجہ سے کئی مسلم نوجوان یا سانی پاس پور حاصل کر سکے جو کج خلیجی ممالک کے علاوہ امریکہ، کینیڈا، لندن اور دیگر ممالک میں اچھی اچھی فائز ہیں اُس نے یہ پاس پور بنانے کے لئے ڈیپٹی سکرٹریٹ کے آفیسر کی پاس پور قلم پر دستخط ضروری تھی (آج بھی ضروری ہے) ایک تہہ بوں بنو اگر میرے ایک رشتے دار کا لڑکا پاس پور قلم پر تصدیق کے لئے میرے پاس آیا کھنہ صاحب اُن دنوں سکرٹریٹ کی گورنر آفیسر پر دیش تھے میں نے کھنہ صاحب کے پاس ویز ٹیکنگ کا رڈ بھیجا یا انہوں نے مجھے فوری بلوایا چائے پلوالی میں تمام پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ نوجوان باہر بیٹھا ہوا ہے آپ کہیں تو اسے سفار کے لئے بلالوں۔ کھنہ صاحب نے کہا کہ میرے لئے یہی کافی ہے کہ آپ لائے ہیں اُنکے اس پر اعتماد جو انے مجھے ہمیشہ کھیلے اُن کا گرویدہ بنا دیا۔ کھنہ صاحب سیدھے سادے نیک پیر اور وضع دار ہونے کے علاوہ حید آبادی تہذیب کا مکمل نمونہ ہیں وہ پاس پور قلم ہو یا کٹی و تھامیز بلاتامل دستخط کیا کرتے تھے صد سکرٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی حیثیت سے بھی مجھے اُن کا ہمیشہ تعاون حاصل رہا وہ ایک کامیاب طنز و مزاح نگار کی حیثیت سے ہی اُردو ادب میں اپنا ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

(ماخوذ ”سلسلہ چھوٹوں کا ۱۹۹۲ء“)

تاج قریشی

(معتبر استاد سخن - وضع دار شخصیت)

معاشرہ میں کتنے ایسے لوگ ہوں گے جن کی زندگی کا ایک ایک
پل تہذیب گذشتہ کا مکمل آئینہ دار رہا ہو۔ کون ایسے لوگ ہوں
گئے جو ہر موسم میں ہر حال میں خوش رہے ہوں اور کسی صورت میں بھی اپنی
وضع داری کو ہانغ سے جانے نہ دیتے ہوں۔ بہت کم یہ دیکھنے میں آتا ہے
کہ لوگ ایک ہی انداز اور ایک ہی روش پر قائم رہتے ہیں۔ کبھی کبھی زندگی
میں ایسے حالات سے بھی انسان کو گزرنا پڑتا ہے جو اس کے لیے صبر آزما
بھی ہوتے ہیں اور الجھنوں کا باعث بھی بنتے ہیں۔ اصول پتہ دیا نہ دار
اور ایماندار لوگ ہر حال میں خوش رہتے ہوئے اپنی زندگی کے خدو و خال کو سنوارتے
رہتے ہیں پیرانے شہر کے ایک معجز استاد سخن حضرت تاج قریشی کو جب کبھی
میں نے دیکھا ہے ان کے بارے میں معلومات حاصل کیں وہ ایک مستقل مزاج
شرافت نواز، باوقار اور معجز شخصیت کی حیثیت سے میرے مشاہدہ کے

آئینہ دار رہے ہیں حضرت ناز قزلباشی کی سکونت مغل پورہ میں تھی۔ میں نے پہلی بار حضرت ناز قزلباشی کو اپنے محترم استاد علامہ قدر علی کے دولت خانے پر محفل مشاعرہ میں دیکھا تھا مجھے یہ بھی خیال آنا ہے کہ کسی اور مشاعرے میں میں نے انہیں دیکھا ہو گا۔ حضرت ناز قزلباشی درمیانی قد کے نحیف الجسم پیر و قار شخصیت کے حامل تھے بہت ہی قیمتی شہرہ آفاق زیب تن کیے ہوئے رہتے تھے ان کے ہم عصر شاعروں میں علامہ نجم آفندی، حیدر پاشا، مولانا کامل شطاری، علامہ قدر علی، احمد علی شتاب، سیف حموی، اور خیالی جہا وغیرہ تھے میں نے اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں بہت سے مشاعرے پڑھے ہیں اس دور کے ہر اہم مشاعرہ میں حضرت ناز قزلباشی بھی موجود رہتے تھے۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ میرے استاد حضرت قدر علی بھی اور حضرت ناز قزلباشی آپس میں بہت قریبی دوست تھے ناز قزلباشی صاحب ہوں کہ علامہ قدر علی بھی یا کوئی اور محترم شاعر ہوں ان شاعروں میں کبھی بھی شاعرانہ چشمک نہیں رہی۔ حالانکہ مشاعروں میں شاعرانہ چشمک کی روایت رہی ہے۔ میں نے ان تمام اساتذہ سخن کو پُر غلوں انداز میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا ہے شاعروں کی روایت کچھ ایسی تھی کہ جب اساتذہ سخن محفل مشاعرہ میں داخل ہوتے تو نہ صرف ان کے ہم رتبہ شاعر ہی کھڑے ہو کر ان کا بغیر مقدم کرنے تھے بلکہ دیگر اساتذہ کے شاگرد اور تمام شعراء بھی تعظیماً اپنی نشست سے اٹھ جاتے اور ان کے پیچھے جانے کے بعد بیٹھ جاتے تھے مشاعرہ شروع ہوتا تو نئے شاعروں کو پہلے

پڑھایا جاتا تھا۔ اُس دور میں عموماً طرحی مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ ایک طرف علامہ نجم آفندی کے شاگرد ہوتے تو دوسری طرف علامہ قدر علی بی کے شاگرد ایک طرف مولانا کامل کے شاگرد رہتے تو دوسری طرف حضرت تاج قریشی کے۔ یہ سب ایک ساتھ بیٹھے رہتے تھے حضرت تاج قریشی کی شاعرانہ عظمت کا کھلے دل کے ساتھ اعتراف کیا جاتا تھا ان کے اشعار سب کھل کر داد دی جاتی تھی میٹا ہوا شروع ہونے سے قبل میزبانِ محفل تمام شرکائے محفل کے لیے چائے کا انتظام کرتے تھے کبھی کبھی مشاعرے کا اختتام کے بعد بھی چائے سے تواضع کی جاتی تھی حضرت تاج قریشی تخت میں کلام سنتے تھے کلام سنانے کا انداز شرکائے محفل کو متوجہ کرتا تھا نہایت خاموش طبع، صاف دل، صاحبِ ضمیر انسان تھے جو نیرت شعروں کی جھل افراٹی میں بجاالت سے کام نہیں لیتے تھے تاج صاحب نے اپنی وضع داری کو آخری کھانسی تک باقی رکھا۔ حضرت تاج قریشی کے دولت خاں نے سیر مجھے دو تین مرتبہ جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں سیاست اخبار میں شعرا و کاتبانِ سلسلہ سیاست فیچر کے زیر عنوان شروع کیا گیا تھا۔ میں اس کالم کا مرتب تھا اس کالم میں محمد قلی قلی شاہ سے لے کر رئیس اختر تک میں نے ۱۲ شعروں پر نمونہ کلام کے ساتھ تعارفی مضمون لکھے۔ تاج قریشی صاحب سے بھی میں نے اپنے مضمون کی تکمیل کے سلسلے میں ملاقات کی تھی اور مطلوبہ مواد ان سے حاصل کر لیا تھا جو میرے مضمون کے لیے ضروری تھا ابتدا میں فی الفور میری خواہش کی پذیرائی نہیں ہوئی۔ بعض اساتذہ کرام ایسے ہی رہے ہیں جو اپنے بارے میں اپنی تشہیر کے بارے میں دلچسپی نہیں لیتے تھے لیکن میں نے تاج قریشی صاحب سے

ایک دو ملاقاتوں میں ان کا منتخب کلام اور حالات زندگی حاصل کر ہی لیا
اس طرح ایک کالم کا تعارفی مضمون نمونہ کلام کے ساتھ شائع ہوا۔ اس
دور کے تمام اساتذہ سخن کے علاوہ مشہور و معروف شاعروں پر سیر مفاہیم
شائع ہو چکے ہیں سیاست میں یہ تعارفی سلسلہ تقریباً ۳ سال تک چلتا رہا
سیاست اخبار میں اس طرح کے ادبی سلسلے شائع ہوتے رہے۔ حضرت
تاج قریشی کے بھی بعض اشعار و مقابلہ شعر و سخن میں حصہ لیا کرتے تھے۔ اچھے
اشعار کے کالم کے لیے بھی شعر بھینچتے تھے تاج قریشی اپنے دور کا ایک وضع دار
شخصیت تھے ان کے سب سے زیادہ مشہور و معروف شاگردوں میں شاعری
ادیب کا نام لیا جاتا ہے جن کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف شعر و ادب کا
محفلوں اور علی و تہذیبی حلقوں میں کیا جاتا ہے شاعری میں ۱۶ کتابوں کے مصنف
مولف ہیں زائد انہیں ہم بزرگوں سے علی و ادبی فرماتے ابانے سب سے ہیں اور
کچھ بزرگوں سے ان کا اور مٹھنا بچھونا شعر و ادب ہو گیا ہے۔ تاج قریشی کا نام محمد
نور الدین تھا ۳۳ حجہ ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے اور ۳۴ ستمبر ۱۹۷۳ء کو انتقال ہوا۔ ان کے واسطے نام

تاج قریشی کا نام محمد تاج الدین تھا۔ ان کے والد کا نام محمد الیر الدین تھا
تاج الدین صاحب ایک جاگیر دار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ان کے والد
محترم جہاں نما انیسویں کاندنگ آفیسر تھے ان کی برکات جاگیر دارانہ تو
ماحول میں ہوئی۔ مولانا مظفر حسین اور حضرت عبداللہ شاہ سے ابتدا
میں عربی تعلیم حاصل کی میر دلاور علی ثانی ان کے تارسی کے استاد تھے
غشی رکھتا تھا دروسے اردو کی تعلیم حاصل کی ۱۹۱۷ء کی عمر میں سرکے
ابتداء میں دلاور علی ثانی اور قادری علی تارسی پوری کو کلام رکھاتے رہے
آخر میں باقاعدہ اور مستقلاً سید علی زید کو ایسا کلام دکھایا۔

عبدی زریک کو اپنا کلام دکھایا۔ تاج قریشی صاحب نے تقریباً تمام اصنافِ سخن میں شعر کہے ہیں۔ ان کا ایک مجموعہ کلام سوزِ دروں ممتاز شاعر شاعرانہ ادیب نے ترتیب دیا ہے۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۷۲ء کو ان کا انتقال ہوا۔

اُس دور کے اساتذہ کرام پرانے شہر کے شاعروں ہی میں شرکت کیا کرتے تھے عام شاعروں میں شرکت سے گریز کرتے تھے۔ میں نے اپنی شعری و ادبی زندگی میں تاج قریشی صاحب کو نئے شہر کے کسی ایک مشاعرہ میں بھی نہیں دیکھا۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ان اساتذہ کرام کے شاگردوں نے ایک دوسرے سے فکر اڈ کا کبھی ماحول پیدا نہیں کیا بلکہ ایک استاد کے شاگرد دوسرے استاد شاعر کے شاگردوں کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ استاد و شاگردی کا وہ مفید سلسلہ ختم ہوتا چلا گیا۔ ہمارے اساتذہ کرام کو اپنے کلام کی اشاعت سے بہت کم دلچسپی رہتی تھی۔ اخباروں میں شاید ہی کلام چھپتا رہا ہو۔ شعری مجموعے بھی بہت کم اساتذہ سخن کے شائع ہونے اگر شائع بھی ہوتے تو بہت تاخیر سے۔ ویسے علامہ مخم آفندی، حضرت کامل شطاری اور حضرت قدز عریضی، احمد علی شاپ کے شعری مجموعے میری نظر سے گزر چکے ہیں اور اگر دیگر اساتذہ سخن کے بھی مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں تو وہ میرے علم میں نہیں ہیں۔ میں اپنی ذاتی معلومات کو ہی اپنی تحریروں میں جگہ دیتا ہوں تاکہ کوئی میری تحریر میں بہ حرف زنی نہ کر سکے۔ اُس دور کے پُراٹے شہر کے مشاعروں میں ملک الشعراء اوج بیعتوبی، سعید شیدائی، خواجہ شوق، خیرات ندیم، طالب زانی، ابن المذنب، منوہر لال شارب، تابش صدیقی، منوہر لال پہار، ریورنڈ ہینسن، ریمانی بھی موجود رہتے تھے۔

اس دور میں نئے شہر کے شعراء محذوم محمد الدین، شاہہ صدیقی، سیال خان اربیب، کنول پیر شاہ کنول وغیرہ بہت کم پیرائے شہر کے کسی مشاعرہ میں شرکت کرتے تھے البتہ علامہ جبریت بدایونی کو میں نے حضرت قدر علیہی اور مولانا کا مل شطاری کے مشاعروں میں کبھی کبھی شرکت کرتے ہوئے دیکھا ہے حضرت تاج قریشی کے ہم عصر وہم رتبہ شعراء کے بعد اوج یعقوبی اور ان کے شعراء کی زیر سرپرستی پیرائے شہر کے مشاعروں میں رونق بٹھرنے لگی۔ آج بھی ہمارے شہر میں کھلی روایتوں کا تسلسل جاری ہے اسنادی شگردی کا سلسلہ بھی برفراہ ہے اس سلسلے میں محلی اور محلی اور حضرت خواجہ شوق کے نام زیادہ اہمیت کے حامل ہیں مشاعرے آج بھی ہو رہے ہیں آئندہ بھی ہوتے رہیں گے ہمارے شہر کا ادبی ماحول اور ادبی و تہذیبی روایات اس بات کے متقاضی ہیں کہ مشاعروں کا یہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ شہر میں بہت سی شعری و ادبی انجمنیں موجود ہیں جو اپنے اپنے انداز سے کام کر رہی ہیں حضرت تاج قریشی اگرچہ کم آئینہ شاعر رہے لیکن آج بھی معیاری ادبی محفلوں میں ان کی شاعرانہ عظمتوں کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کاش مشاعروں کا وہی رنگ ہوتا آداب محفل کا اسی طرح خیال رکھا جاتا۔ ایک شاعر دوسرے شاعر کی عزت کی نگاہ سے دیکھتا۔

غلام احمد

(سکرٹریٹ کے بے تاج بادشاہ۔ نامور کرکٹرز)

غلام احمد صاحب سکرٹریٹ کے اُن خوش مزاج، خوش اخلاق اور دنوار
 عہدہ داروں میں سے ایک تھے جنھوں نے جانے کتنے ترقی یافتہ جوانوں کے تفرات اور
 پریشان حال ملازمین کے تبادلوں کی متوفی کے علاوہ عیسوی سرکاری اور غیر سرکاری امور
 میں بھی بھرپور تعاون کیا ہے۔ جب بھی اُن سے ملنے جاتا تھا تو غلام احمد صاحب کے ساتھ پیش
 آنے والے سکرٹریٹ میں کتنے چائے نوشی ہوتی اور کتنے یونیورسٹی کے آغا ہوا۔ غلام احمد
 صاحب کا اجلاس ایک شاہی دربار جیسا تھا مگر فقیرانہ رنگ سے ہوتا۔ ہر قسم کے
 ضرورت مند صاحب کے علاوہ دوست احباب کی آمد کا سلسلہ دفتر کے شروع ہونے
 سے ختم ہونے تک جاری رہتا۔ ہر شخص کی مدد کرتے۔ ایسا یا ریشم عہدیدار سکرٹریٹ
 کو چھوڑ دیتے تھے کہ سفارش کرنے کے معاملے میں وہ بہت سخی واقع ہوئے ہیں
 کوئی شخص اُن کے قلمدراتہ دربار سے غافل نہیں ہوتا۔ صدر سکرٹریٹ اردو
 اسکاٹیشن کی حیثیت سے بھی ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔
 (ماخوذ ”سلسلہ پھولوں کا“ ۱۹۹۲ء)

سید مکثر شاہ

(پیر خلوص - سادہ مزاج - بے حد شریف انسان)

دنیا میں کتنے ہی لوگ آتے ہیں اور جلتے ہیں یہ سلسلہ نو حضرت آدم کے زمانے سے ہی جاری ہے لیکن بہت سے لوگ ایسے کچھ ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی نیکی، شرافت و نجابت، حسن ساکن و اعلیٰ کردار کی بہ دولت انسانی و تہذیبی رشتوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں کچھ ہی لوگ یادگار زمانہ بنا کر رہے ہیں جب کوئی انسان اپنی سوسائٹی اور اپنے معاشرے اور اپنے ماحول میں نمایاں حیثیت سے اپنی پہچان کے ساتھ باقی رہتا ہے تو یقیناً کوئی کارنامہ انجام دیتا ہوگا۔ جو عام طور پر دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں نہیں ہوتا۔ کارناموں کے بھی مختلف اقسام ہوتے ہیں۔ کوئی شخصی عمل و ادبی کارنامے انجام دیتا ہے تو کوئی تہذیبی و ثقافتی، کوئی تعلیمی و فلاحی تو کوئی سیاسی اور کوئی انسانی کے ناطے پہنچانا ہے۔ ان

بیشتر لوگوں میں سے بھی جو مختلف انواع زمروں میں رہ کر سرسبز و شاداب زندگی گزارتے ہیں ان کی تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے اچھے لوگوں کی پہچان آسان ضرور ہے لیکن اچھے لوگوں میں سے زیادہ اچھے لوگوں کی شناخت کے لیے ذہانت و نظانت، پاریک بینی اور گہری نظر کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اس طرح سوسائٹی میں تین زمروں میں انسان کو بانٹا جاتا ہے خوب، خوب نر، خوب نرین۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بُرے لوگوں کی وجہ سے اچھے لوگوں کی پہچان بن جاتی ہے بدی کا جب تک وجود باقی رہے گائیکی کی اہمیت بڑھتی جائے گی اس طرح رات کے بعد سویرا، اندھیرے کے بعد آجالا ضروری ہے اسی طرح بدی کے ساتھ نیکی کا وجود، بہترین زندگی کے لیے لازمی سمجھا جاتا ہے پاک و صاف ماحول میں سانس لینے والے لوگوں کی منتخب فہرست میں ہم سید مکثر شاہ صاحب کو یہ آسانی شامل کر سکتے ہیں۔ مکثر شاہ کے دور میں بہت سے منتخب لوگ لہے ہیں لیکن ہر ایک کی بات اُس کے ساتھ رہتی ہے کوئی شخصی اپنی شرافت سے متاثر کرتا ہے تو کوئی اپنے رکھ رکھاؤ سے کوئی اپنے اندازِ گفتگو سے تو کوئی اپنے طرزِ حیات سے، کوئی اپنی وضع دار سے تو کوئی اپنی طرح داری سے۔ میں نے مکثر شاہ کو ہر اعتبار سے منتخب شخصیتوں میں پایا۔ سید مکثر شاہ کا مزاج ہی کچھ ایسا تھا کہ کوئی بھی اُن سے پہلی ملاقات کے بعد اُن کا ہلو کر رہ جاتا تھا۔ آج بھی ہمارے شہر میں بہت سے لوگ موجود ہیں جو مکثر شاہ کی خوشگوار یادوں کو چراغ

جلائے ہوئے ہیں۔ ایسی یادیں جو دل و داغ کو مسخر کر لیتی ہیں وہ زندگی کا ایک اہم حصہ بنی ہوئی رہتی ہیں۔ مکرثر شاہ صاحب کو یاد کرنے والوں کی یقیناً بہت بڑی تعداد ہوگی۔ مکرثر شاہ صاحب ایک ایسے انسان تھے جن کا ہر عمل، جن کی ہر حرکت انسانی رشتوں کی ایندھن بنا کر رہتی تھی نہایت پاک و صاف، نیکی و سخاوت، نہایت رکھنے والے شاد دل و داغ کے مالک تھے مکرثر شاہ کو اردو زبان اور اردو شاعری سے بے حد دلچسپی تھی شہر میں ہونے والے تقریباً تمام کُل ہند شاعروں میں کبھی صد نو قلمی یہاں خصوصی کی حیثیت سے شرکت کیا کرتے تھے مشاعروں میں مکرثر شاہ صاحب کی تقریر نہایت مختصر مگر جامع ہوتی تھی شاہ صاحب جبر آبادی تہذیب کی بھرپور نمائندگی کرنے والے تھے و صنعت داری ان کی نس نس میں رچ بس گئی تھی غیر معمولی شریف انسان تھے یہاں تک مجھے یاد ہے مکرثر شاہ صاحب سے میری پہلی ملاقات ۳۲، ۳۳ برس پہلے اولڈ ایم ایل اے کوآرٹر حمایت نگر میں ہوئی تھی وہ مجھے نرمل میں ہونے والے کسی بڑے شاعرہ میں مدعو کرنا چاہتے تھے انہوں نے سیاست آفس کو فون کر کے مجھے بلوایا تھا میں وقت مقررہ پہنچا۔ نہایت خلوص و محبت کے ساتھ مجھ سے ملے۔ اپنے ڈرائیونگ روم میں بٹھایا۔ دوران گفتگو مجھ سے کہا کہ آپ میرے پسندیدہ شاعر ہیں آپ کی شاعری ہی ہمیں آپ کے نثر سے بھی میں بے حد متاثر ہوں۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ جبر آباد میں مجھے دو ہی شاعر زیادہ پسند ہیں ایک آپ اور دوسرے خیرات ندیم۔ میں نے کہا جبر آباد

میں بہت سے اچھے اچھے شاعر ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنی بات پر قائم
 رہتے ہوئے کہا کہ میں اپنی پسند کو کیا کروں۔ اس پہلی ملاقات میں مکثر
 شاہ صاحب نے اپنی دوستی کے ایسے نمایاں نقوش چھوڑے کہ میں ان
 کی شرافت نفس، شائستگی مزاج اور ان کے حسن سلوک کا گرویدہ
 ہو گیا۔ وہ مشاعرہ غالباً انجمن ترقی اردو نرمل کی جانب سے آراستہ کیا
 گیا تھا مشاعرہ گاہ میں تل دھرنے جگہ بہتیں تھیں شاندار و یادگار مشاعرہ ہوا
 ایم ایل اے کوارٹر کی اس ملاقات کے دوران مکثر شاہ صاحب نے
 خیرات ندیم اور میرے زادِ راہ کا انتظام کیا۔ مشاعرہ کے بعد مکثر شاہ صاحب
 نے اپنی کار میں ہمیں جبرہ آباد بھیجوا یا۔ مکثر شاہ صاحب پہلے ایم ایل اے
 ہوئے پھر صدر تین قانون ساز کونسل منقرض ہوئے۔ اپنی صدیقی
 کے زمانے میں شاہ صاحب نے بھرپور اردو زبان کے حل طلب مسائل کے
 لیے نمائندگی کی۔ ان کے کارناموں کی ایک لمبی فہرست ہے نرمل میں ان کے
 رفیق دیرینہ پی نرسار ڈی رہنے تھے نرمل نرسار ڈی صاحب کا وطن ہے
 سید مکثر شاہ صاحب کا وطن عادل آباد ہے نرمل ضلع عادل آباد کا ایک تعلقہ
 ہے نرمل کا ایک اور یادگار مشاعرہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا اس مشاعرہ میں
 نرمل میں مشاعرہ کی طرح مجھے کچھ زیادہ ہی داد و تحسین سے نوازا گیا مشاعرہ
 کے دوسرے دور میں مجھے اور ڈاکٹر مشتار الرحمن خان مشتاکو کو بار بار
 آیا۔ اس مشاعرہ میں اشعار کے ذریعہ شاعرانہ چشمک کی صورت حال پیدا
 ہوئی۔ ہوا یوں کہ مشتار الرحمن مشتاکو صاحب نے اپنی ایک غزل کے تمام اشعار

یہ بات کہی تھی محفل کے تمام شعراء میں اُن کا سب سے زیادہ اعلیٰ مقام
 ہے اور وہ سب سے برتر ہیں جب مجھے دعوت سخن دی گئی تو میں نے ان کے اشعار
 کے جواب میں اپنے اشعار کے ذریعہ ان کے شاعرانہ ذہن کی نفی کر دی۔ یہ سلسلہ سو اُن
 جواب کی شکل اختیار کر گیا لیکن آداب محفل کے خلاف کوئی ایسی واضح بات
 ظہور پذیر نہیں ہوئی جو محفل کے درسم برسم ہونے کا سبب بن سکے۔ سید مکر
 شاہ شہر کی ایک مذہبی انجمن انجمن قادریہ کے سرپرست اعلیٰ تھے اس انجمن
 کے ایک سربراہ سید محمد قادری بھی تھے جو سکریٹریٹ میں رہے ساتھی تھے۔ ہم
 دونوں علم نیا پیت راج میں یہ حیثیت رکھنے آفیسر کام کرتے تھے ان کی شخصی دلچسپی
 سے میں انجمن قادریہ سے سالانہ نعتیہ مشاعرہ میں شرکت کرتا تھا ایک مشاعرہ مجھے
 یاد ہے کہ جس میں سید مکر شاہ کے علاوہ عزیز سیٹھ وزیر کرناٹک ایسٹ
 بھی موجود تھے جس میں میں نے نعت سنائی تو بہت پسند کی گئی نعت شریف کا
 یہ شعر ہے آنکھوں میں ہے حسرت دیدار محمد

میں کب سے مدینہ کی طرف دیکھ رہا ہوں

اس قدر پسند کیا گیا کہ مجھے تقریباً ۶ سے زائد مرتبہ دہرا نا پٹر۔ ویسے بھی نثر نم
 سے شعر مزید پیرا اثر ہوتا ہے کچھ دیا دوست شخصیت اب بھی کہتی ہیں کہ
 نعت کے مقابلے میں میرا نثر نم بہت زیادہ پیرا اثر ہوتا ہے سید مکر شاہ
 صاحب سے جب میرے مراسم بر طعنہ لگے تو میں انہیں اپنے زیرِ نظام ہونے
 والا اہم ادب تقاریب میں مدعو کرنا شروع کیا میرے شعری مجموعوں کی رقم اجراء
 تقریب میں میں نے ہمیشہ انہیں شرکت کی زحمت دیکھی کبھی انہوں نے رقم اجراء

انجام دی، کبھی صدارت کی اور کبھی وہ جہاں خصوصی رہے جب این ٹی راماراؤ نے تلگوڈیشم پارٹی تشکیل دی اور وہ کانگریس آئی کو شکست دے کر ریاست آندھرا پردیش کے چیف منسٹر بنے تو انہوں نے حیدرآبادی تہذیب کی اعلیٰ روایات کو نظر انداز کرنا شروع کیا۔ حیدرآباد کے بعض سیاسی و غیر سیاسی ممتاز شخصیتوں کے علاوہ بعض مہذب شہری این ٹی راماراؤ کے منفی ذہن کی مذمت کرنے میں مصروف ہو گئے۔ این ٹی راماراؤ کی یہ عادت تھی کہ ہر اہم شخص کو علی الصبح ناشتہ پر مدعو کرتے تھے ایک دفعہ انہوں نے سید مکڑ شاہ صاحب کو بھی مدعو کیا۔ دوران گفتگو راماراؤ کے ذہن پر جو حیدرآبادیوں کے بارے میں، حیدرآبادیوں کے اسلاف کے کارناموں اور ان کی اعلیٰ افکار کے سلسلے میں عدم واقفیت کا گرجی ہوئی تھا اس کو صاف کرنے کی کوشش کی۔ بندرتج راماراؤ اعتدال پسند ہوتے گئے۔ مکڑ شاہ نے مجھ کو راماراؤ سے اپنے مراسم کے بارے میں ایک اہم بات بتائی۔ ہو ایوں کہ بارکس میں اسٹیٹ بینک آف حیدرآباد کی جانب سے افطار پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ تھنا مکڑ شاہ بھی اس افطار پارٹی میں مدعو تھے۔ مجھے جناب محبوب حسین جگر صاحب نے سیاست کے لیے رپورٹنگ کے لیے بھیجا یا تھا افطار پارٹی کے بعد میں واپس ہونے والا تھا تو مکڑ شاہ صاحب نے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ کار میں بیٹھیں میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ دیتا ہوں۔ ان دنوں میں سید علی چہوتہ (شاہ علی بٹہ) ہیں رہتا تھا مکڑ شاہ صاحب نے این ٹی راماراؤ کے اکھرٹے ہوئے غیر سمجیدہ رویوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ

راماراؤ جیدہ آباد کی تہذیبی روایات سے ناواقف ہیں انہیں واقف کرانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ کہہ رہے تھے کہ ابن ٹی راماراؤ نے اُن سے ایک دفعہ کہا تھا کہ حیدرآباد میں آپ پہلے مسلمان ہیں جن کی میں سب سے زیادہ قدر کرنا ہوں۔ راماراؤ نے نہ صرف مکڑ شاہ صاحب کو اہمیت دی بلکہ ان کی شرافت کے قائل ہو گئے۔ ویسے بعد میں ابن ٹی راماراؤ نے جناب علی خان صاحب سے بھی اپنے روابط بڑھائے اور وہ یہاں کے ماحول میں گھل مل جانے کی کوشش کرتے رہے۔ ابن ٹی راماراؤ اپنے چیف منسٹر کے دور میں اس قدر آپے سے باہر ہو گئے تھے کہ وہ مرکز سے ٹکرانے لگے۔ مرکز کی کانگریسی حکومت پر سخت تنقید کیا کرتے تھے اور وہ اپنے آپ کو ملک کا بہت بڑا قائد سمجھنے لگے یعنی ان کا یہ لہجہ یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ حکومت ہند کے وزیر اعظم ہیں۔ ابن ٹی راماراؤ کے بعض غلط فیصلوں کے سبب میں نے بہت سے جارحانہ شعریہ ہیں۔ شکر جی میموریل سوسائٹی کے ایک کل ہند متاعہ میں ابن ٹی راماراؤ نے بھی شرکت کی تھی۔ میں نے اُس وقت ابن ٹی راماراؤ کے لیے خاص طور پر جو غزل کہی تھی اور متاعہ میں سنائی تھی اس کے دو شعر یہ ہیں: اعلیٰ نظروں کی جگہ کم ظرف جب پانے لگے اپنا آنکھن چھوڑ کر مرکز سے ٹکرانے لگے

خود فرتی کا ذرا یہ بھی تماشا دیکھئے
کیسے کیسے لوگ اب اوتار کہلنے لگے

متاعہ میں پلچ چڑھی۔ متاعہ کی فضاء گرم ہو گئی۔

غالباً این ٹی راراؤ اُن اشعار کا مطلب سمجھنا چاہتے تھے مکرث شاہ صاحب اُن کے بازو ہی بچھٹے ہوئے تھے انہوں نے اپنے نڈاز سے سمجھایا (یعنی) جارحانہ اشعار کا دوسرا ہی مطلب سمجھایا) مکرث شاہ مجھ پر بڑے مہربان تھے میری شاعری کے قدر شناس تھے جب کبھی ملاقات ہوتی اپنی پوری شرافت کے ساتھ گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے تھے مجلس قانون ساز کے صدر نشین بنے تو اُن کی رہائش گاہ لکڑی کے پل پر اُن سے ملاقات ہوتی تھی۔ میری ملاقات صرف ادبی جلسوں اور مشاعروں کے سلسلے میں ہی ہوا کرتی تھی جب میں اپنا وزیٹنگ کارڈ بھیجتا فوراً بلوانے بلکہ بعض دفعہ وہ خود باہر آکر اپنے ڈرائیونگ میں لے جاتے۔ جب وہ قانون ساز کونسل کے صدر نشین نہیں رہے تو بھی میں انہیں ادبی جلسوں اور مشاعروں میں شرکت کے لیے زحمت دیا کرتا تھا اُس زمانے میں وہ کڈم کامپلکس، ٹارائن کوڑہ کے ایک فلائٹ میں رہتے تھے۔ آخری دم تک کانگریس پارٹی سے وابستہ رہے۔ جناب عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب سے ان کے گہرے مراسم تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ ہر دور میں سید مکرث شاہ صاحب جیسے انسانیت نواز، شریف النفس اور مخلص لوگ معاشرہ میں خال خال رہے ہیں۔

عظمت عبدالقیوم

(حیدر آبادی تہذیب کی نمائندہ خاتون
ممتاز شاعرہ وادیہ)

حیدر آبادی تہذیب کی نمائندہ خاتون عظمت عبدالقیوم میری
منہ بولی پہنچاؤ میں سے ایک بڑی بہن تھیں۔ وہ مسلم معاشرہ کی ایک جیتی جاگتی
تصویر تھیں۔ ہر شخص کی زندگی میں بعض ایسی شخصیتیں ہی آتی ہیں جو نہایت
خاموشی سے اپنے گہرے ناشرات چھوڑ جاتی ہیں۔ عظمت آپا کی شخصیت
ایک عجیب نورانی کیفیات کی حامل تھی ہمارے معاشرے کی کسی ہی قدر اور
شخصیت کیوں نہ ہو، وہ اس پُر وقار شخصیت سے متاثر ہوئے
بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ اُن کی عزت و احترام کرنا جیسے ایک لازمی فریضہ تھا
ایسا احس ہر اس شخص کا ہوتا تھا جو اُن سے ملنے کے لیے آتا تھا اُن کے
چہرہ پر اس قدر نور تھا کہ گمان ہوتا کہ یہ ایک نورانی مخلوق ہیں۔ شخصیت
کی جاذبیت اور پُر جمال چہرہ اُن کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ نرم گفتاری،
شناختہ روی، شگفتہ مزاجی، طبیعت کی سنجیدگی یہ تمام خصوصیات ایک

شخصیت میں صنم ہو گئی تھیں۔ عظمت آپا نے مجھے اپنے چھوٹے بھائی جسیا
 پیار دیا تھا، انہوں نے ہمیشہ مجھے محبت اور شفقت کی نظر سے دیکھا۔ وہ
 میری ہر بات سنجیدگی اور توجہ سے سنا کرتی اور ملنگی اور نرمی سے جواب
 دیتی تھیں۔ محفل خوانین کے قیام کے بعد مجھے عظمت آپا سے ملنے کا زیادہ موقع
 ملنے لگا۔ محفل خوانین کے ہر چھوٹے بڑے کام سے متعلق مجھ سے وہ لازماً منورہ
 کیا کرتی تھیں۔ عظمت آپا کے نشو و نما پر محترم عبدالقیوم خان صاحب فیضیہ پ. ۱۸۰۵
 مجھے بے حد چلبستے تھے۔ اُن کا مسکراتا ہوا پُرو فار چہرہ مجھے ہمیشہ متاثر کرتا
 رہا۔ مشاعرے ہوں کہ محفل خوانین کے اجلاس اُن کی چہتی بیٹی شاداں
 ہمیشہ اُن کے ساتھ رہتی تھی شاداں کو میرا نرم بہت پسند ہے وہ کہتی ہیں
 بنیر بھائی جب آپ نرم میں غزل سناتے ہیں تو مجھے رونا آتا ہے بہت
 درد انگیز ترنم ہے آپ کا۔ عظمت آپا اپنی بیٹی شاداں کو ستانے کے لیے
 کہتی تھیں کہ ہماری بیٹی کو نو ہمارا کلام پسند ہی نہیں۔ اُسے نو بس بنیر بھائی کا
 کلام پسند ہے (شاداں میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو چھوٹی بہنوں
 میں ہوتی ہیں)۔ محفل خوانین کی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں عظمت آپا کا نام
 سرفہرست آتا ہے۔ عظمت آپا سے میری آخری ملاقات اُن کے انتقال سے
 ۵ دن پہلے اُن کے مکان ”خیابان پیر ہوٹا“ ۱۲ مئی ۱۹۸۸ء کی ابتدائی
 ساعتوں میں بہ عارضہ قلب ان کا انتقال ہو گیا۔ گورنر آندھرا پردیش نثار جی
 محمود دین جو شخصی عظمت آپا کا بڑا احترام کرتی تھیں ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ
 عظمت آپا شاداں اور میں گورنر صاحبہ سے ملنے کے لیے راج بھون گئے

ہوئے تھے جیسے ہاگورنر صاحبہ کو یہ معلوم ہوا کہ عظمت آیا آئی ہوئی ہیں تو وہ
 عظمت آیا کو لینے کے لیے اپنے چیمبر سے باہر آئیں اور اپنے ہاتھوں سے عزت و
 احترام سے بٹھائیں اور جب عظمت آیا واپس ہو رہی تھیں تو وہ عظمت
 آپا کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے موٹر کے قریب تک تشریف لائیں
 اور انہیں موٹر میں بٹھا کر واپس ہوتے ہوئے کہا کہ آپ کے لیے راج مہول
 کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے جس وقت جاپاں بلا روک ٹوک آ سکتی ہیں
 عظمت آیا نے جشن عظمت عید القیوم پر اثر تقریب میں میرے بارے میں کہا تھا
 کہ میں اپنے بھائی صلاح الدین بنیر کی محنتوں کا صلہ تو کچھ نہیں دے سکتی البتہ میری دعا
 ہے کہ بنیر کو میری عمر لگ جائے۔ عظمت عید القیوم بانی محفل خوانین اور بانی
 شاداں ایجوکیشنل سوسائٹی کے چار شعری مجموعے ’زیر گل‘، ’رگ گل‘، ’مفرد
 سحر‘ اور ’عظمت و فن‘ شائع ہو چکے ہیں ان کی شاعری پر عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک
 طالب علم عبدالوہاب غوری نے ایم فل کیلئے۔ میں جشن عظمت عید القیوم کے موقع
 پر عظمت غزل کے نام سے ایک ضخیم کتاب شائع کی ہے جس میں مرثا بہر
 اردو کے مضامین، عظمت عید القیوم کی ادبی خدمات کے سلسلے میں شامل
 ہیں۔ جاپاں عظمت عید القیوم کے نام سے بھی ایک کتاب میں نے مرتب کی ہے
 جس میں عظمت عید القیوم کے مضامین اور ان سے مطلق تحریریں شامل ہیں۔

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید

(گھکشاں بکھرنے والی اردو فلاسفی کی نامور عمرہ)

برگ سبز جیسی شاعرہ جب برگ گل کے اوصاف میں تجللیں ہو کر
اپنے فکر و فن سے تہذیب شعرو ادب کو مہکانے کا حق ادا کرتی ہے تو
ادبی ماحول پر بڑا بڑا بیڑا چھایا جاتی ہے اور اس کے شعرو نغمات کی گھکشاں
آستانِ فکر و خیال پر کچھ اس طرح پھیل جاتی ہے کہ اُجالوں کے سوا کچھ
اور نظر نہیں آتا۔ خیالات کی فراوانی، مشاہدات کی گہرائی اور جذبات
کی تروتازگی جب گلستانِ رنگ و بو کے لئے تجزیہ نگاروں جیسی حس
کاری کا منصب ادا کرتی ہے تو فطرت کے وہ تمام گوشے جو جلوہ نما
کے لئے منتظر تھے ایک ایک کر کے بے نقاب ہو جاتے ہیں اور فطرت
کی وہ تمام نیرنگیاں جو اپنے اپنے وقت پر اظہار کا ذریعہ بن جانا چاہتے
ہیں ظہور پذیر ہونے لگتی ہیں۔ ایک قلم کار جب اس قسم کی کیفیات
سے گزرتا ہے تو اس کے فکر و نظر کے دائرے وسیع تر ہونے لگتا

جاتے ہیں۔
 اگر کسی صاحب ادراک شخص کو ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید کی رانشو
 بلند پروازی کا جائزہ لینا مقصود ہو تو ضروری ہے کہ ان کی جمالیاتی
 سحرکاری، تجرباتی طرح داری اور مشاہدات کی جگہ گاتی ہوئی شمع فروزاں
 کو بھی پیش نظر رکھے۔ فطرت شناسوں کی محفل کا ایک ایک لمحہ
 دل و دماغ کو نہ صرف روشن رکھتا ہے بلکہ ذہن رسا کی ایک ایک شمع
 کو حیات جاوداں کی بشارت دیتا رہتا ہے۔

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید ایک ایرانی النسل شاعرہ ہوتے ہوئے
 بھی ہندوستانی تہذیب و ثقافت میں کچھ اس طرح جذب ہو گئی تھیں
 کہ ان کے جسم و جاں میں ہندوستانی روایات کی وہ ساری خوشبو
 بکھرتی رہی۔ جو ایک شگفتہ، چمکتے ہوئے گلاب کا وتیرہ ہوا کرتا ہے
 ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید بہ یک وقت تین زبانوں اردو، فارسی و انگریزی
 کی شاعرہ تھیں ان کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف میں تمام ادبی حلقے
 رطب اللسان ہیں۔ بانو طاہرہ سعید کی شاعری بیدھے سادے

عام قلم ڈھانوس لفظوں کا لبادہ اڑھے ہوئے برسر محفل رونق افروز
 ہوئی رہی تو ادبی ذوق رکھنے والے سارے سامعین متوجہ ہو جاتے تھے
 فارسی کی شاعرہ ہونے کے باوجود اردو شاعری کی زبان صاف
 سخی اور دلہنی، اتر چلی آتی ہے۔ ان کے کلام کی برجستگی دیکھ
 سناشتگی، قاری و سارے لوگوں کو اپنا دل و جان پر جھانک کر دیتے ہیں۔ سبیل مستح

کا مزاج لیٹے ہوئے ان کی شاعری کا لب و لہجہ پُر اثر ہو سکتا ہے ان کے اشعار پر جس قدر زیادہ غور کیا جائے گا اتنے ہی معنی آفرینی کے جوہر نمایاں ہونے لگیں گے۔ شہادت و قلبی واردات کا گہرا اثر ان کے اشعار میں جا بجا ملتا ہے جو موسمِ گل کی طرح سارے ملکِ فکرو خیال کے باذوق، حسنِ کاروں کو تر و تازگی بخشتا ہے ان کے جذبات کی ترجمانی کرنے والے الفاظ ان کے شاعرانہ خیالات کا استقبال کرتے ہوئے اپنے وجود کو وسیع تر مفہوم میں ڈھاننا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید کسی خاص مسلک کی شاعرہ نہیں تھیں۔

جہاں ان کا کلام کلاسیکی شعر و ادب کا ترجمان معلوم ہوتا ہے تو وہیں ترقی پسندانہ فکر کا آئینہ دار اور جدید شاعری (جدیدیت نہیں) کا ہتھیار نمونہ بھی ہے یہ شاعرہ اپنی شاعرانہ حیثیت کو کسی قصوصِ فلسفے میں بانٹنے کی قائل نہیں تھیں۔ اپنی روشن خیالی اور زندہ تئیری کی وجہ سے تمام ادبی تحریکات اور رجحانات سے بہرہ ور ہو چکی تھیں ان کا ادبی و شعری سفر ایک ایسی راہ سے گزر رہا تھا جہاں ہر قسم کے موسم ان کا خیر مقدم کرتے تھے ان کا تخلیقی سفر کھادوں تک جاری رہا ان کی شاعرہ کی حیثیت سے ادب میں اپنا ایک منفرد مقام بنی چکی تھیں۔ بانو طاہرہ سعید ایک خوش مزاج، شائستہ اطوار اور عمدہ طور و طریق کو اپنانے والی شاعرہ تھیں۔ چشمِ مردت، کشادہ ذہن و فکر کی بھی مالک تھیں۔ اپنے کھراؤ میں شائستگی و نفاست کے ہر اُس پہلو کو تراج

پیش کیا کرتی تھیں جو ایک مہذب انسان کا ورنیرہ ہوتا ہے روز و شب کے مسائل کو سلیقے سے سرانجام دینے کا انہیں ملکہ حاصل تھا۔ زندگی کے سارے لمحات کو ان کی پوری پہچان کے ساتھ سرگرم عمل رہنے کا موقع فراہم کرتی تھیں معاشرہ کا ایک اہم حصہ بن کر اپنی فہم و فراست کی روشنی کو دور و دور تک پھیلانی رہتی تھیں۔ بانو ظاہرہ سعید کا جید آباد کی سید متون خانم شعراء میں شمار ہوتا ہے انہیں میں اس زمانے سے ایک شاعرہ کی حیثیت سے جانتا ہوں جب وہ ادارہ ادبیات اردو، انجمن ترقی اردو اور اردو مجلس کی محفلوں میں اپنا کلام سنایا کرتی تھیں (یہ بات ۱۰-۱۹۵۹ء کی ہے) شہر میں ہونے والے تمام مشاعروں میں شرکت سے گریز کرتی تھیں البتہ شہر کے بعض تعلیم یافتہ ہند ب گھرانوں میں اگر کوئی مخصوص مشاعرہ ہو تو شریک ہوا کرتی تھیں اور ایسی محفلوں کا زیادہ تر میں ہی معتد مشاعرہ رہا کرتا تھا۔ شاعری کے ابتدائی زمانے میں شہر کے شعروادب سے دھسی رکھنے والے بعض اہل ذوق اصحاب اپنی رہائش گاہوں پر محفل شعور کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ ایسی محفلوں میں بھی بانو ظاہرہ سعید کی شاعری پوری توجہ کے ساتھ سنی جاتی تھی۔ ان کے اشعار پر دل کھول کر داد دی جاتی تھی۔ ان کے رفیع خیانت بر گید پر سجد صاحب نہایت شریف النفس اعلیٰ ظرف انسان تھے۔ ڈاکٹر بانو ظاہرہ سعید کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔

مشاعروں میں بانو ظاہرہ سعید کو اپنی چھوٹی سی موٹر آسٹن میں لے آتے

اگر میں کسی مشاعرے میں شرکت کے لئے ڈاکٹر صاحبہ سے فون پر بات کرنا چاہتا تو سعید صاحب فون ریسو کرتے (بلکہ اکثر دفعہ سعید صاحب ہی فون ریسو کرتے تھے) اور کہتے طاہرہ! نیو صاحب کا فون۔ وہ فوراً آتیں اور گفتگو جاری رہتی۔ اسی طرح کہ بات عطف عبد القیوم کے مشوہر محترم عبد القیوم صاحب (ریٹائرڈ چیف انجینئر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی) کہتے تھے اُن دنوں جتنے بھی خاص خاص مشاعرے ہوتے تھے ان میں شہر کے نمائندہ با ذوق خواتین و حضرات مدعو رہا کرتے تھے۔ خواتین کی تعداد بھی مرد حضرات سے کم نہیں ہوتی تھی۔ مشورہ ادب کی محفلوں سے روشناس کرانے کے لئے اُس دور کی خواتین اپنی لڑکیوں کو بھی اپنے ساتھ محفل میں لے آتی تھیں جس طرح عطف عبد القیوم کے ہمراہ ان کی بیٹی شاداں رہتیں۔ اسی طرح شہر کی ہندب خواتین بھی نہناہتیں رہتی تھیں۔ اُس وقت کے مشاعرے ایک خاص ماحول کے نمائندہ ہوا کرتے تھے رفتہ رفتہ ایسی نفلیں کم ہوتی گئیں۔ کبھی بھی اُن محفلوں کی یاد آتی ہے تو ماضی کے تمام ادراک الٹے لگ جاتے ہیں جو اپنی روشنی سے دامن تہذیب و ثقافت کو چمکاتے تھے۔ اُن محفلوں میں کیسے کیسے لوگ آتے تھے اور کیسے کیسے لوگوں سے ملاقاتیں ہوا کرتیں تھیں (وہ دور ہی ختم ہو گیا) اب وہ بات کہاں۔ یا نو طاہرہ سعید اپنی مخصوص طرز معاشرت کی وجہ سے بھی منفرد حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کی زندگی قابل رشک تھی۔

حیدرآباد ایک ایسا شہر ہے جس کے دامن میں بہر دور میں
 رنگ برنگی کے پھول کھلتے اور چمکتے رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ
 بانو طاہرہ سحید کی قیام گاہ پر شعری و ادبی محفلیں مخصوص ہوا کرتی
 تھیں جن میں شہر کے منتخب شرفاء و شعراء شریک رہا کرتے تھے
 برگیلہ پر سحید مہمانوں کے خیر مقدم کے لئے پیش پیش رہتے ہوئے
 مہمانوں کی پذیرائی میں چشم براہ رہتے تھے مہمانوں کی تواضع میں
 فراخ دلی کا ثبوت دیا جاتا تھا۔ ان کے گھر میں آراستہ کی چلنے والی
 محفلوں میں ہاشم علی اختر (آئی اے ایس) اور ان جیسی کچھ اور یا وفار
 شخصیتیں اپنے اہل خاندان کے ساتھ شرکت کیا کرتی تھیں۔ بڑی
 خوشگوار محفلیں ہوتی تھیں۔ مجھے بانو طاہرہ سحید کی ایک دعوت خاص طور
 پر یاد ہے جو ان کے پہلے مجموعہ کلام "برگ سبز" کی رسم اجراء تقریب
 کے سلسلے میں دی گئی تھی شائے کے بعد مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا تھا انتہائی
 باذوق ادب دوست خواتین و حضرات کی اس محفل میں شعر و ادب
 کے موضوع پر بھی گفتگو ہوتی رہی۔ اس محفل میں حیدرآباد کے ایک
 مہذب گھرانے سے تعلق رکھنے والی معزز و محترمہ خاتون صالحہ الطاف
 (مدیر خانوں دکن) بھی مدعو تھیں (جن کے رسالہ کی رسم اجراء تقریب شاندار
 پیمانے پر روئید۔ ابھارتی ٹیلی ویژن نے والی تھی) بانو طاہرہ سحید
 نے صالحہ الطاف سے یہ کہتے ہوئے تعارف کروایا کہ آپ صلاح الدین بیگم
 ہیں۔ ایک ہوتا ہوا بھرتے ہوئے شاعر ہونے کے علاوہ بہترین انسان

ہیں۔ انہیں شہری ادب سے ہی نہیں نثری ادب سے بھی دلچسپی ہے صحافت سے وابستگی رکھتے ہیں "خانوں دکن" کے لئے ان کی خدمات بے حد مفید رہیں گی۔ اس ابتدائی تعارف کے بعد میں رسالہ "خانوں دکن" سے جو ایک خالص ادبی رسالہ تھا) وابستہ رہا۔ بلا وقفہ سیرجہ تفریبا ۱۲ سال تک جاری رہا۔ ہاشم علی اختر صاحب سے بھی اُسی زمانے سے واقف ہوں۔ میں ہمیشہ ان کی نظر میں رہا۔ میری بے حد حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ ڈاکٹر سید رحی الدین زور قادری اور پروفیسر عبدالقادر سردار بھی میری شہری و ادبی سرگرمیوں کو سراہتے تھے۔

بانو طاہرہ سعید کی زندگی، فنون لطیفہ کی خدمت میں گزری رہیں خانوں دو سنوں میں حیدر آبادی تہذیب کی نمائندہ خانوں ممتاز شاعرہ عظمت عبدالقیوم ان سے بہت قریب تھیں۔ آپس میں یہ دونوں بہت اچھے دوست تھے۔ عظمت عبدالقیوم کے انتقال کے بعد بانو طاہرہ سعید بہت زیادہ خاموش رہیں۔ انہیں اپنی بہترین شاعرہ دو کی خوراکی کا ٹیرا صدمہ رہا۔ بانو طاہرہ سعید کی تفریبات کتا بوں میں ملک کی اردو اکیڈمیوں نے انعام سے نوازا ہے۔ ان کا کلام اخبارات میں چھپتا رہا۔ ریڈیو اور دور درشن سے بھی ان کا کلام داد و تحسین حاصل کرتا تھا۔

بانو طاہرہ سعید کے فن اور شخصیت پر عثمانیہ یونیورسٹی کی طالبہ اقبال بیگم نے ایم فل کیا ہے انگریزی ادب کی مجموعی خدمات کے

اعتراف میں انہیں امریکہ کی عالمی یونیورسٹی ایڈزوندہ ٹیڈی اسٹ کا اعزاز
 دیا گیا ہے۔ انگریزی کا مختلف انتقالات میں کلام اور ان کے حالات
 شائع ہو چکے ہیں اور ان کی ایک انگریزی نظم دنیا کے بہترین ۵۰
 انگریزی نظموں کے مقابلہ میں شامل ہے۔ محفلِ خواتین کی پانیوں میں
 سے ایک شخص مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ستر برس پہلے جب محفلِ خواتین
 کا قیام عمل میں آیا تھا تو اس وقت کے مشاورتی اجلاس میں بانو طاہرہ
 سجدہ بھی موجود تھیں۔ مجھے بھی خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا میں اس وقت
 سے ہی محفلِ خواتین کا مشیر ہوں۔ ڈاکٹر بانو طاہرہ سجدہ کا پہلا مجموعہ کلام
 برگ سبز اور میرا پہلا مجموعہ کلام "گل تازہ" ایک ہی سال شائع ہوئے
 تھے بانو طاہرہ سجدہ بہت زود گو شاعرہ تھیں بہترین نثر نگار بھی تھیں
 اردو شعر و ادب سے بے حد محبت کرتی تھیں حمید آباد کی تہذیبی روایات
 سے انہیں بے حد لگاؤ تھا اپنے وطن عزیز کی محبت میں ہر شارہ کو
 حب الوطنی کے موضوع پر بہت ہی عمدہ عمدہ نظمیں کہی ہیں۔

ان کا ادبی سہ ماہی بھی جاری رہا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ
 تاجات ان کا قلم چلتا رہے گا۔ ڈاکٹر بانو طاہرہ سجدہ کے پاس کچھ
 برسوں سے ادبی محفلیں نہیں ہو رہی تھیں البتہ انہوں نے ممتاز محفل
 جناب نصیر الدین ہاشمی کی دستِ نیک اختر نامور افسانہ نگار و شاعرہ
 خدیجہ ہاشمی (دینلم ہاشمی) جو ستر برس پہلے پاکستان سے حمید آباد آئی
 تھیں کے استقبال میں ایک نفل شعر آراء کا محفل اس محفل میں

نمائندہ شاعروں اور خانوں شعراء نے کلام سنایا تھا۔ بیلہ ہاشمی نے بھی اپنا
 منتخب کلام سنا کر داد و تحسین حاصل کی تھی۔ میں ناقص امشاعرہ تھا۔
 میں نے حیدر آباد کی بعض خانوں ادیبوں اور شاعرات
 کی شعری و ادبی صلاحیتوں کو اپنی خبریروں کے ذریعہ خراج پیش کیا ہے
 لیکن بانو طاہرہ سعید پریم نے کچھ نہیں لکھا تھا اب سید نھان کی شاعرانہ
 قدر و قیمت اور ان کی شخصیت پر لکھتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے

صالح الطاف

(مدیر خاتون رکن۔ صاحب طرز ادیبہ صفت آئروڈکن)

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید نے اپنی قیام گاہ پر ایک پُر تکلف عشائے میں کچھ مخصوص شاعروں اور ادیبوں کے ساتھ بعض ایسی ممتاز شخصیتوں کو بھی مدعو کیا تھا جن سے اُن کے شخصی مراسم تھے۔ مجھے یاد ہے کہ صالح الطاف سے میری پہلی ملاقات یہیں ہوئی۔ اُس زمانے میں بانو طاہرہ سعید عظمت عبد القیوم اور روحی علی اصغر (جو پاکستان چلی گئیں) کے پاس بھی مخصوص شاعری محفلیں ہوا کرتی تھیں۔ اُن محفلوں میں میری شرکت لازمی سمجھی جاتی تھی مجھے ہر طرح کے تمام گھرانے پسند تھے۔ بہت اہمیت شائستہ، محسن اور پُرقار شاعر ہونے کے علاوہ یہ نینوں محترم خواتین اپنے خاندانی پس منظر رکھ رکھاؤ اور شخصی وقار کی وجہ سے بھی ممتاز تھیں۔ یہ محترم شاعرات مجھے اپنا ایک پسندیدہ شاعر کے علاوہ ایک مہذب انسان بھی سمجھتی تھیں، بانو طاہرہ سعید نے صالح الطاف سے میرا تعارف اس پُر اعتماد اور پُر خلوص انداز

ہیں کرا یا کہ صالحہ الطاف مجھ سے متاثر ہوئیں اور مجھ سے گھر آنے کی خواہش
 کی۔ صالحہ الطاف کا خاتون دکن منظر عام پر آنے والا تھا یا لوطا ہرہ سید نے
 مشورہ دیا کہ تبرہ صاحب کا تعاون آپ کے رسالے کے لیے نہایت مفید ہے
 گا۔ رسم اجراء تقریب نہایت شاندار پیلانے پر ہوئی۔ اُس وقت کے گورنر
 آندھرا پردیش نے رسم اجراء انجام دی تھی میرے خیال میں حیدر آباد میں کسی
 ادبی رسالے کی تقریب رسم اجراء اس قدر شاندار پیلانے پر منعقد نہیں ہوئی۔
 اس محفل میں حیدر آباد کے بہت سے شاعر، ادیب، صحافی اور ممتاز شہری
 موجود تھے تقریب کے بعد مبارکباد دینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں مبارکباد
 دے کر قدامتِ قبط کہنے ہی والا تھا کہ صالحہ الطاف نے مجھ سے پھر اپنے گھر آنے کی
 خواہش کی۔ میں ۱۳۴۰ء دن کے بعد صالحہ الطاف کے مکان واقع مگر کی باؤلی
 (ممبر عالم سنڈنی) پہونچا۔ صالحہ آپا نے مجھ کو مکمل اختیار دیا تھا کہ میں پرچہ کو
 اپنے ڈسک سے شائع کروں لیکن مجھے ہمیشہ اُن کا مشورہ اور تعاون حاصل
 رہتا تھا۔ صالحہ آپا کی والدہ محترمہ میرا بہت خیال رکھتی تھیں (خدا انہیں جنت
 نصیب کرے) اس گھرانے نے مجھے پیار، محبت اور بے لوث خلوص سے سزا
 کیا۔ اُس گھر کے ماحول نے مجھے اُس بات کا احساس ہی دہانے نہیں دیا کہ میں
 اس گھر کے لیے ایک اجنبی ہوں۔ صالحہ آپا نے اپنی بے لوث چاہت اور سچے
 خلوص میں کبھی کبھی نہیں کی۔ اُن سے جب کبھی بھی ملتا ہوں تو مجھے شدت سے
 پیسے محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک مہذب، شائستہ خاتون سے مل رہا ہوں جنہوں
 نے اپنے منہ بوئے بھائی کے لیے اپنی ساری محنت، ساری شفقت، ساری کوشش

محاضرہ میں ان رشتوں کی زیادہ قدر کی جاتی ہے جو انسانی زندگی میں غیر محسوس طریقے سے مختلف اوقات میں مختلف انداز اور مختلف روپ میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ (کاٹنات کے سارے کاروبار ایسے ہی نازکے رشتوں پر قائم ہیں) میری منہ بولی بہنوں کا خیال ہے کہ میں جب کسی کو زیادہ چاہتا ہوں تو مجھے ان سے لڑنے میں سمجھ زیادہ ہی لطف آتا ہے صالحہ آپا سے کبھی کبھی میں الجھتا رہتا تھا۔ یہ بات گھر کے کبھی لوگ جانتے تھے۔ اتنے طویل عرصہ کے بعد بھی صالحہ آپا کی محبت اور ان کے سلوک میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی۔ صالحہ آپا بعد میں میرے علی و ادبی کاموں میں دلچسپی لینے لگیں۔ میری شاعری کی جہاں وہ مداح ہیں وہیں وہ مبصر اور نقاد بھی ہیں۔ میرے پہلے مجموعہ "کلام" کی تازہ "کلی ترتیب" نیز یمن کی ساری ذمہ داری صالحہ آپا نے اپنے سلی تمی ایک ایک غزل کا جائزہ لیا اور مناسب انداز سے مجموعہ ترتیب دیا۔ کتاب کو مزید دیدہ زیب بنانے کے لیے اپنی آرٹسٹ چھوٹی ماہن عندا سجد سے مرقعہ بنوائے، مرقعوں کی مناسبت سے مجھ سے شعر کہلوائے۔ بہترین سرورق تیار کروایا اور بہترین گیٹ اپ کے ساتھ کلی تازہ شائع ہوا۔ وہ ایک اچھی ادیب اور ڈرامہ نگار بھی ہیں ادبی و مذہبی کتابوں کا وسیع مطالعہ ہے ان کا زیادہ وقت ادبی و مذہبی کتب کے مطالعہ میں گذرتا ہے نہایت بُر دیار، بخیلہ، سلیقہ شعار اور پُر وقار شخصیت کی مالک ہیں میرے تمام شعری مجموعوں کی ترتیب و ترتیب میں صالحہ آپا کی مٹ ورت شامل رہا ہے۔

(اقیاس: پھر وہی پیر چھائیاں ۱۹۹۲ء)

معین بزمی

(بہترین نعت گو۔ وضع دار شاعر)

کچھ لوگ فطرتاً اس قدر شریف النفس ہوتے ہیں کہ ان کے بائے
 میں یہ شبہ ہی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کبھی بھی اپنی زندگی میں بے اعتدالیوں کا شکار
 رہے ہوں گے۔ ان کا طرز گفتگو احباب کے ساتھ، ان کا سلوک قابل رشک
 حد تک پسندیدہ سمجھا جاتا ہے جب بھی ایسے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ
 سنجیدگی کا پیکر بنے ہوئے رہتے ہیں۔ ان کی گفتگو کا ہر جملہ مختصر رہتا ہے
 بہت ممکن ہے وہ اپنے مخصوص احباب سے طویل گفتگو کرتے ہوں۔ ویسے
 مختصر گفتگو میں بھی توازن رہتا ہے۔ زیادہ بولنے والا شخص دوران گفتگو بعض
 ایسی باتیں بھی کہہ جاتا ہے جس کی وجہ سے — اس کا وجود سوایرِ شان
 بن جاتا ہے اس لیے بزرگوں نے کہلے کہ کم بولنا چاہیے مگر سوچ سمجھ کر۔ اگر
 کوئی بات نہ پہلے انداز میں کہی جائے تو وہ پُراثر بھی ہوتی ہے پسند بھی کی
 جاتی ہے الفاظ کے استعمال میں لغزش کا امکان کم سے کم رہتا ہے۔ سو سائی میں

ایسے لوگ نسبتاً زیادہ قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں جو کم بولتے ہیں مگر کام کی بات کرتے ہیں۔ ہمارے شہر کے نامور شاعر معین الدین بزمی بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو کم بولتے تھے مگر ان کی گفتگو دانشورانہ ہوتی تھی وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اسکیسے معقول لوگوں میں اپنی زندگی گزارنے تھے بزمی صاحب کا نام معین الدین ہے اور تخلص بزمی۔ اصل نام احمد معین الدین صدیقی ہے ان کے والد محترم محمد شریف الدین طبیب یونانی تھے بزمی صاحب کا مقام پیدائش حیدرآباد ہے ۱۷ جنوری ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے اور ۱۳ اگست ۲۰۲۰ء کو ان کا انتقال ہوا۔ عثمانیہ یونیورسٹی سے ۱۹۴۲ء میں بی اے اور ۱۹۴۹ء میں ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ ۲۶ جنوری ۱۹۷۱ء کو سپرنٹنڈنٹ بورڈ آف یونیورسٹی کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔ معین بزمی کی عمر تقریباً ۸۵ برس کی تھی اس عمر میں بھی کبھی کبھی مشاعروں میں رونق افروز ہوتے تھے۔ میں معین بزمی کو زائد ۴۰ برس سے جانتا ہوں۔ ان کی شاعرانہ وضع داری نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا اکثر مشاعروں میں میں نے ان کے ساتھ ایسا کلام سنایا ہے معین بزمی جہاں شعر کہے اچھے شاعر ہیں وہیں وہ عمدہ نعت گو بھی ہیں تعمیر ملت کے سالانہ جلسہ رحمت میں نئی برسوں تک نعت شریف سناتے رہے ہیں۔ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے سالانہ منعقدہ نعتیہ مشاعروں میں بھی مدعو رہتے تھے میں نے اپنی شاعری کے ابتدائی دنوں میں انہیں ہر چھوٹی بڑی محفلوں میں کلام سناتے ہوئے دیکھا ہے چاہے وہ طرحی مشاعرہ ہو کہ غیر طرحی مشاعرہ وہ پابندی سے شرکت کرتے تھے بہت پہلے کی بات ہے کہ معین بزمی، ریورنڈ ہینیس ریکی، تاجیہ صدیقی

منوہر لال شارب اور منوہر لال بہار ایک ساتھ شاعروں میں دکھائی دینے
 نئے آہیں میں ان لوگوں کی بہت اچھی چھنتی تھی خاص طور پر ناشر صدیقی ان کے
 قریب ترین دوست تھے جانتے تھے معین بڑی سلف ہمیشہ ترغیم میں کلام سنایا۔
 طالب رواقی، ابن احمد تاب کی طرح معین بڑی کا بھی خصوص ترغیم تھا معین بڑی
 ایک ہی ترغیم میں کلام سناتے تھے چاہے کسی بھی بحر میں کیوں نہ شعر ہوں یا شعروں
 میں کم از کم ۹ اشعار سناتے۔ ان کے اشعار نہ صرف بامعنی رہتے بلکہ پُر اثر بھی
 ہوتے ہیں۔ حیدر آباد میں اساتذہ سخن علامہ نجم آفندی، حضرت قدر عریضی
 مولانا کامل شطری، تاج قریشی ان کے ہم عصر شاعر ہیں۔ بڑی صاحب نے حیدر آباد
 میں ہی نہیں اصلاً میں بھی بے شمار شاعرے پڑھے ہیں ایک زمانہ تھا کہ وہ ہر
 مشاعرہ میں موجود رہتے تھے۔ بڑی صاحب بار بار سخن، دوست نواز، دوستی پسند
 انسان تھے مجھے اور میرے ساتھی جو میر شاعروں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے
 میرے ساتھی شعراء ہیں سب سے زیادہ مجھ سے قربت رکھتے تھے۔ میں خود بھی ان
 کی شاعرانہ وضع واری، ان کی شرافت سے متاثر رہا۔ معین بڑی کا کلام
 اخبار سیاست میں شائع ہوتا رہا ہے۔ میں نے سیاست پور، سیاست فیچرس
 کے زیر عنوان شعراء کے تعارفی سلسلے میں معین بڑی کے فن اور شخصیت پر تفصیل
 مضمون لکھا ہے بڑی صاحب نہ صرف ادارہ ادبیات اردو کے شاعروں میں
 برسوں شریک ہوتے رہے بلکہ انہیں ترقی اردو کے شاعروں میں بھی اپنا کلام سناتے
 رہے ہیں ڈاکٹر سید فی الدین قادری نور، ادارہ ادبیات اردو کے زیر اہتمام
 مستعدہ شاعروں میں بڑی صاحب کو لازماً مدعو کرتے تھے اصلاً کے شاعروں

میں بھی اپنا کلام سناتے رہے ہیں۔ انجمن ترقی اردو آئندہ ہر اپریل میں
 اس کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے مشاعروں میں بزرگ صاحب کو مدعو کیا جاتا تھا۔
 اعلیٰ کے مشاعروں میں بھی سید شہید کا، حیرت ندیم، طالبہ اراقی، ابن احمد تاب
 کی طرح خوش گوشہ شاعر کی تہرت میں ان کا نام شامل رہتا تھا۔ انہوں نے اعلیٰ کے
 کے بے شمار مشاعرے پڑھے ہیں۔ بزرگ صاحب کا بہت سا کلام موجود ہے
 مگر انہوں نے اس بات کا کہ ان کا کمال کوئی ایک مجموعہ بھی شائع نہیں ہوا۔ ایک
 موقع پر میں نے انہیں مجموعہ کلام کی اشاعت کے لیے توجہ دلائی تھی لیکن ان
 کی تاہلی اور افتاد طبع نے کوئی پیش رفت نہیں کی۔ میں نے کتاب کی اشاعت
 کا مشورہ اس وقت دیا تھا جب "ایمانوں کے مسافر" کے زیر عنوان ادارہ میرا
 شہر میرے لوگ" کی جانب سے ان کی شاندار عظمت کو خراج پیش کرنے کے
 لیے ادبی تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اگر وہ اپنا مسودہ شاعری اردو اکیڈمی
 میں داخل کرتے تو یقیناً اردو اکیڈمی بہ آسانی ان کے مجموعہ کلام کی اشاعت
 کی منظوری دے دیتی۔ دراصل ہمارے شہر کے بعض شعرائے کرام اپنے کلام کی
 اشاعت سے کم دلچسپی رکھتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے میسر وسائل سے بھی
 استفادہ نہیں کرتے۔ وہ اس موقع میں بھی غفلت کہ اپنا مجموعہ کلام شائع
 کر سکیں۔ بزرگ صاحب کو میں نے ہمیشہ شاعروں کے روایتی لباس زیبردانی میں دیکھا
 ہے خوش لباسی ان کی طبیعت کی نفاست کا پتہ دیتی تھی۔ زندگی کے آخری دنوں میں
 بزرگ صاحب زیادہ تر وقت مسجد اور گھر میں گزارنے غصے لیے محلے کی مسجد حکیم میر و علی
 (چندو محل بارہ درہا) کی کچھلی کے صدر میں تھے۔ عین سہری کے ہم عصر وہم خیال

شاعروں میں سعید شہیدی، اوج بیغونی بھی تھے۔ باجیڈا شاعروں میں ڈاکٹر
 علی احمد جلیلی اور خواجہ شوق بھی ان کے قدردانوں میں ہیں۔ معین بڑی کے
 شاگردوں میں بسمل نصیر الدین بسمل ایک مشہور شاعر کی حیثیت سے جانے
 پہچانے جاتے ہیں۔ بسمل صاحب بڑی صاحب نثر، ہی میں کلام سنانے ہیں بڑی
 صاحب کا نثر بڑا دم دار تھا، جھوم کر کلام سنانے تھے۔ بڑی صاحب سے
 جب کبھی ملاقات ہوتی تو وہ اپنی خوش مزاجی، محبت و خلوص کا مظاہرہ
 کرتے تھے۔ ان کا مجھے بغیر کہہ کر مخاطب کرنا اچھا لگتا تھا۔

طالب راقی

(مشاعروں کے ناگزیر خوش گلو استاد شاعر)

اچھی آواز اور اچھا ترنم خدا کی دین ہوتی ہے وہ شاعر بھی پسندیدہ
 نگاہوں سے دیکھ جاتے ہیں جو شاعرانہ ترنم میں شعر سناتے ہیں بہترین ترنم
 اچھے شعر کو دو آتشہ بنادیتا ہے جگر مراد آبادی، بہمنیاد لکھنوی، فنا لفظی
 شمیم جے پوری، شکیل بدایونی، خاربازہ بنگوی، مجروح سلطان پوری، محمد دم و جد
 جیسے خوش گلو شاعروں نے اپنے بہترین کلام کے ساتھ پُر اثر ترنم سے مشاعروں
 کی نوعیت ہی بدل دی۔ نثری پسند شاعروں نے ترنم کو زیادہ اہمیت نہیں
 دی لیکن محمد امی الدین اور مجروح سلطان پوری نے ہمیشہ ترنم میں ہی کلام
 سنایا اور شاعروں میں کامیاب رہے۔ جبہ آباد کے سینیئر شاعروں
 میں محمد امی الدین، مسند علی، شہید صدیقی، کنول پرشاد کنول، سعید شہیدی
 طالب راقی، شیر بندہ، سیان اریب، امیر احمد خسرو، ابن احمد تاب
 منویر، امیر سید علی، امیر سید علی، امیر سید علی، امیر سید علی

کیا۔ طالب رزاقی ترنم میں کلام سنانے تو سارے مشاعرے پر ایک پُرکف ہے۔
 پُرکف کیفیت طاری ہوتی تھی۔ میں نے طالب رزاقی کو ہمیشہ ترنم میں کلام
 سنانے دیکھا ہے اپنے دور کے صف اول کے شاعروں میں ان کا شمار
 ہوتا تھا چاہے شہر کے مشاعرے ہوں کہ اضلاع کے مشاعرے، طالب
 صاحب شاعروں کے لیے ناگزیر تھے۔ میں نے انہیں بیسیوں شاعروں
 میں سنا ہے حیدرآباد میں شاعروں کی نشستوں کے لیے کچھ ہوٹلیں مخصوص
 تھیں نئے شہر کے اورینٹ ہوٹل، پیرانے شہر کے مدینہ ہوٹل اور پیالیں
 ہوٹل میں شعراء بیٹھے رہتے تھے طالب رزاقی زیادہ تر پیالیں ہوٹل میں بیٹھے
 تھے اس ہوٹل کی ایک مخصوص گوشے میں اپنے شاگردوں میں گھرے رہتے
 تھے۔ ان کے شاگرد اپنے اپنے طے شدہ وقت پر آتے اور اپنے استاد سے
 اپنا تصحیح شدہ کلام لے لیتے اور تصحیح شدنی کلام استاد کے حوالے کرتے
 اسی وقت کلام پر اصلاح لیتے تھے طالب رزاقی اپنی بہترین شاعری کی وجہ سے
 شہر کے اہم علمی و ادبی اداروں، ادارہ ادبیات اردو، انجمن ترقی اردو کے
 مشاعروں میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیے جاتے تھے پرانے شہر کے ان کے
 ہم عمر شاعروں میں داغ بختی، سعید شہیدی، علی احمد جلیلی، خواجہ شوق
 خیرات ندیم وغیرہ ان کے قریب تھے۔ ویسے شہر کے اساتذہ سخن میں علامہ
 نجم آفندی، مولانا کامل شطاری، حضرت قدر عرفی، علامہ ناصر زبیری،
 حضرت تاج قریشی سے بھی ان کے روالہ تھے طالب صاحب سینئر اساتذہ
 کرام کا عزت کرتے تھے انہوں نے شاید شراب کو چھوا نہیں البتہ چائے سکر بڑ

کے وہ بہت عادی تھے اصل شاعر کے شاعروں کے بے حد مقبول شاعر تھے بعض
 شاعروں میں ایسا بھی ہوا ہے کہ ان کے بعد ان کے والے شاعروں کو
 نسبتاً کم داد و تحسین سے نوازا گیا۔ اصل شاعر کے شاعروں میں بھی ان کے بہت سے
 شاگرد ہیں۔ طالب رزاقی جہاں بہترین مضمون گو شاعر تھے وہیں ان کی مذہبی
 شاعری نعت شریف و غیرہ کافی پسند کی جاتی رہی۔ ڈاکٹر وسید محی الدین
 قادری زور آور اُن پر خاص بہرہ بان تھے ادارہ ادبیات اردو کے اکثر مشاعروں
 میں وہ مدعو رہتے تھے حیدر آباد میں ان کے چاہنے والوں کی کثیر تعداد تھی
 طالب رزاقی سے میری کوئی خاص رسم و راہ نہیں تھی لیکن میں اُن کی شاعرانہ عظمتوں
 کا دل کی گہرائیوں کے ساتھ محض تھا۔ طالب رزاقی کا کلام آل انڈیا ریڈیو
 سے نشر ہوتا تھا اخبار سیاست میں ان کی غزلیں شائع ہوتی تھیں
 بعض ادبی مسائل میں ان پر تعارفی مضامین شائع ہو چکے ہیں تھے
 یہ اعزاز حاصل ہوا تھا کہ میں سیاست کے لیے اُن کے فن و شخصیت
 پر مضمون لکھوں۔ سیاست میں ۱۹۶۰ء میں اردو دنیا کے مشہور و ممتاز
 شاعروں پر تعارفی مضامین کی اشاعت کا سلسلہ جاری تھا ہفتہ والی کالم
 میں لکھا کرتا تھا۔ میں نے اس کالم کے لیے ۱۲ شاعروں پر (قطب شاہ سے
 لے کر میں اشہر تا) مضامین لکھے جو سیاست میں ہر ہفتہ شائع ہوتے
 رہے۔ اس تعارفی مضمون کے لیے طالب صاحب سے شخصی ملاقات کرنی پڑی
 تھی۔ میں نے باضابطہ اُن سے انٹرویو لیا تھا۔ جو "سیاست" میں شائع
 ہوا طالب رزاقی کی عظمت کے دوران ادبی سروس اور سیاست نے رفعتی

اعانت کی۔ خاص طور پر جناب محبوب حسین جگر نے طالب رزاقی کی کافی مدد کی۔ جب وہ کیس کے ہلکے مرض میں مبتلا تھے جگر صاحب اُن کی عیادت کے لیے جایا کرتے تھے کچھ عرصے بعد طالب رزاقی کے انتقال کے بعد بھی ان کے اہل خاندان کی مختلف ذرائع سے رزاقی اعانت کی۔ طالب رزاقی ۱۹۲۰ء میں حیدر آباد کے دہسیر پورہ میں سکونت پذیر تھے۔ طالب رزاقی ۱۹۲۰ء میں حیدر آباد کے ایک مشائخ گھر نے میں پیدا ہوئے ان کے والد محترم الحاج شاہ محمد یوسف قادری اردو فارسی کے شاعر تھے۔ مولانا عبدالمالک دریا بادی ان کے چچا ہوتے تھے طالب رزاقی اپنے والدین کی نگرانی میں اپنی ابتدائی دینی و مذہبی تعلیم حاصل کی خانی بدایونی اور علامہ حیرت بدایونی سے مشورۃً سخن کہتے تھے طالب رزاقی دیر ۱۹ سال تک مرض کیس میں مبتلا رہ کر ۱۳ دسمبر ۱۹۷۵ء کو انتقال کر گئے۔ اردو اکیڈمی آف ہیرا پورہ میں ان کے منتخب کلام کا مجموعہ نوائے طالب کے نام سے شائع کیا۔ مومن خان شوق کلیم قریشی جو بہر ہاشمی نادر اسلوبی کو بھی ان سے شرفِ تلمذ حاصل رہا۔ طالب رزاقی حیدر آباد کے تمام ادبی حلقوں کے بڑے قابل قبول شاعر تھے میں نے نئے شہر کے اہم شاعروں کے علاوہ اہل پیرانا شہر کے قصوں شاعروں اور چھوٹے چھوٹے شاعروں بھی کلام سنا ہے ہوئے دیکھ لے اظہار کے شاعروں میں کلیم قریشی اور نادر اسلوبی ان کے خاص شاگرد تھے شہر کے خاص شاگردوں میں مومن خان شوق کے ساتھ جو بہر ہاشمی کا نام بھی لیا جاتا ہے جس زمانے میں طالب رزاقی کی شاعرانہ شہرت عام تھی اُس زمانے میں خاص طور پر پیرانا شہر میں اوج میں تھی

کا طوطی بولتا تھا۔ اوج یعقوبی نے شاگردوں کا بھی ایک بڑا حلقہ بنایا۔
 خواجہ شوق کا شمار بھی حیدر آباد کے اساتذہ میں ہوتا ہے ان کے بھی کئی
 شاگرد ہیں بلکہ حضرت اوج یعقوبی کے انتقال کے بعد ان کے بہت سے
 شاگرد شوق صاحب سے رجوع ہو گئے۔ ایسا ہی ہوتا تھا کہ طالب رزاقی
 اضلاع کے مشاعروں میں حیدر آباد کے دیگر مدعوں کے ساتھ پہلے پہنچ جاتے تھے۔
 بعض دفعہ نووہ مشاعرہ سے ایک دو دن پہلے پہنچ جاتے اور
 مشاعرہ کے بعد رہ بھی جاتے۔ دراصل ان کے شاگردوں کی خواہش یہ رہے کہ
 جاتے ڈاکٹر سید محمد الدین قادری زور دست راست خواجہ حمید الدین شاہد
 طالب رزاقی کو بہت پسند کرتے تھے خواجہ حمید الدین شاہد کی وجہ سے بھی
 طالب رزاقی ڈاکٹر زور کی عنایتوں سے فیض یاب ہوتے رہے طالب رزاقی
 صاحب کو حیدر آباد میں منعقد ہونے والے بڑے بڑے جلسہ ہائے رحمتہ العظیمین
 میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لیے مدعو کیا جاتا۔ میں نے تعمیر ملت کے سالانہ
 جلسے کے موقع پہلا انیس کلام سناتے دیکھا ہے تعمیر ملت کے مشاعروں میں
 پابندی سے شرکت کرتے تھے۔ جس زمانے میں آل انڈیا ریڈیو کے پروگرام
 اگر یکیشو ایاز انصاری اور فاروقی صاحب تھے اس زمانے میں آل انڈیا ریڈیو
 سے انہیں زیادہ سے زیادہ کلام سنانے کا اعزاز حاصل تھا طالب رزاقی صاحب
 طرحی مشاعروں میں بھی اپنی سر صغریٰ سے سامعین کو حلقہ کرتے تھے۔
 ان کا کلام اگرچہ خالص کلاسیکی شری ادب کا ترجمان رہتا تھا لیکن عصری
 آگہی نے بھی ان کے کلام کو زیر اثر بنا دیا ہے ان کے اشعار میں معاشرہ کے

سلگتے مسائل بھی ملتے ہیں۔ زبان و بیان کا خاص خیال رکھتے تھے۔ علم عروض
 سے کما حقہ واقفیت تھی کلاسیکی اقدار کے ترجمان ہونے کی وجہ سے ان
 کے اشعار میں بھی کلاسیکی رنگ بہت گہرا تھا شعروادب کے تقریباً تمام
 حلقوں میں ان کے کلام کی پزیرائی ہوتی رہی۔ طالب رزاقی صاف ستھرا
 لباس پہنتے تھے میں نے انہیں ہمیشہ شیروانی پہنے ہوئے دیکھا ہے و متح دار
 شخصیت کے حامل تھے اکثر یہ ایچے ہم عمروں میں کھل مل کے رہتے تھے
 اس کے باوجود وہ کم آمیز کی کو ترجیح دیتے تھے۔ غیر ضروری گفتگو سے
 گریز کرتے تھے طالب رزاقی صاحب کا شمار بھی پیرانا شہر کے اہم اساتذہ
 سخن میں ہوتا تھا۔ میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں ہم نوجوان شاعروں
 کی حوصلہ افزائی میں فراخ دلی سے کام لیا کرتے تھے۔ طالب رزاقی میں نام و نم
 کا شائبہ تک نہ تھا ہمارے شہر کے ایک مقبول معتبر اور اہم شاعر
 تھے نیک صفت انسان تھے طالب رزاقی بھی حیدر آباد کے ان شاعروں
 میں سے ہیں جنہوں نے اپنی صلاحیت سے اپنی شاعرانہ حیثیت کو منوالیا
 طالب رزاقی کا نام حیدر آباد کی ادبی و شعری تاریخ میں دیگر مقبول
 شاعروں کے ساتھ محفوظ رہے گا۔

ماہنامہ سعید

(نامور صحافی، دیدہ و بہترین انٹرفیو شخصیات)

مقناطیسی خصوصیات کی حامل شخصیات حُسنِ صورت سے ہی نہیں حُسنِ اخلاق سے بھی گرویدہ بنالیتی ہیں۔ تیر کٹش شخصیتوں کا یہ عمل شناسنگ کا آئینہ دار بننا ہے وہ اپنے ساتھیوں میں کچھ اس طرح رہتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنے تمام ساتھیوں سے الگ حیثیت کا حامل ہے اور اگر اس طرح کا شخص اپنے طور و طریق میں امتیازی خصوصیات رکھتا ہو تو وہ اپنی شخصیت کی نشوونما کا خود مزہ دار رہتا ہے وہ رب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی صرف اپنے ساتھ رہتا ہے۔ اپنی دنیا میں رہتا ہے۔ اپنے کام سے غرض رکھتا ہے دوسروں کے معاملات میں نہ تو دخل ہوتا ہے نہ ہی عار و بکارت دور رہ کر کچھ اس طرح کے معاملات میں نہ تو دخل لیتا ہے کہ ہر قسم کے حالات خود بخود اس کی آنکھوں کے اُس موافق موقف کا جائزہ لیتا ہے کہ ہر قسم کے معاملات میں دخل اندازی، سامنے رونما ہوتے ہیں ویسے بھی دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی، ایک معقول انسان کبھی پسند نہیں کرتا البتہ اس طرح کے لوگوں کی مشاوری حالات کی

بہتری کے لئے سود مند و کار آمد ہوتی ہے۔ خود شناس، عقاب نظر، معاملہ فہم
 اور دیدہ ور لوگوں کی زندگی کا ایک ایک لمحہ روشنی کا بیخامبل جلوہ خود بخود کو دور
 فضا تک پہنچانے کا محرک ہوتا رہتا ہے۔ اچھی زندگی گزارنے والے ہمیشہ
 اصول پسند و صاف ستھرے ذہن و فکر کے مالک ہوتے ہیں ان کی ساری زندگی
 بے داغ رہتی ہے وہ معاشرہ کے شانہ نشین لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان
 کا رکھ رکھاؤ، ان کا طرز حیات خود ان کا ہوتا ہے وہ مانگے کا اُجالا کے قائل نہیں
 رہتے۔ اپنی دنیا خود بنا دیتے ہیں۔ اپنے راستے خود تیار کرتے ہیں اور اپنی منزل
 کا خود تعین کرتے ہیں سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی سب سے الگ رہتے
 والوں میں ایک شخصیت ہاشم سعید کی بھی جو روزنامہ سیاست کے آغاز سے
 تمام حیات وابستہ رہے۔ ہاشم سعید سیاست اسٹاف کی سب سے اہم شخصیت
 تھے جس نے اپنے ہم سالہ سیاست سے وابستگی کے دور میں سیاست اسٹاف
 میں سب سے زیادہ اعلیٰ درجہ مقام والے صرف اور صرف ہاشم سعید کو پایا۔
 ہاشم سعید ہمیشہ ہی عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب کی نظروں
 میں رہتے تھے۔ اخبار کے اکثر معاملات میں ہاشم سعید صاحب سے مشاورت
 کی جاتی تھی۔ نہایت ذمہ دار، ایماندار اور سیاست سے الٹو رشتہ رکھنے والے
 باوقارانان تھے جب سیاست اخبار کا اجراء عمل میں آیا تو سیاست کے خدو خال
 میں رنگ بھرنے کے لیے کچھ اعلیٰ دماغ لوگوں کی ضرورت تھی ہاشم سعید ہر ایسے
 وقت پر دست راست رہے۔ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب ہاشم صاحب
 بہت عزت کرتے تھے ان کا ہمت زیادہ خیال رکھتے تھے سیاست کے اسٹاف میں

ہاشم سعید صاحب کی پہلی پوزیشن تھی۔ عابد علی خان صاحب، محبوب حسین جگر صاحب
 اختیار کے سلسلے میں کسی خاص فیصلہ پر پہنچنے کے لمحات میں ہاشم صاحب سے
 خبر لیا تو ان کا عمل کو تھمتھے جس زمانے میں سیاست کا اجراء عمل میں آیا وہ
 دور پولیس ایکشن کے وحشت ناک حالات سے متاثر، پریشان کن دور تھا
 مسلمانین حیدرآباد دریا ست کے ختم ہونے کی وجہ سے افغانی کے شکار ہو چکے تھے
 ان گرم حالات میں اخبار نکالنا بڑے حوصلہ کا کام تھا جب عابد علی خان صاحب اور
 جگر صاحب نے اخبار نکالنے کا عزم مصمم کیا تو ہاشم صاحب ذہنی و جسمانی طور
 پر اخبار کے لیے وقف ہو گئے۔ ہاشم سعید صاحب سے سیاست سے میری
 وابستگی (۱۹۵۹ء) کے زمانے میں کسی بھی قسم کی ر کم و راہ نہیں تھی۔ ویسے ہی سیاست
 سے وابستگی کے ابتدائی دنوں میں، میں مہنت میں صرف دو دن کچھ دیر کے لیے
 سیاست جاتا تھا۔ محفل شعر سے متعلق اشعار حاصل کرنے کے لیے اور ترتیب
 دیتے ہوئے کالم کی حوالگی کے لیے۔ جب ادبی ٹرسٹ کی سرگرمیاں شروع
 ہوئیں تو ہاشم سعید صاحب سے مجھے قربت حاصل ہونے لگی۔ ادبی ٹرسٹ
 کی ادبی تقاریر کے علاوہ مشاعروں کے سلسلے میں ہاشم سعید صاحب ہر فیصلہ
 میں شریک رہتے تھے جب مہمان و میزبان شعراء کے انتخاب کا اجلاس ہوتا تو
 اس اجلاس میں عابد علی خان صاحب، جگر صاحب، ہاشم سعید صاحب کے علاوہ میں
 بھی رہتا تھا یہ اتفاق آراء شعراء کا انتخاب ہوتا تھا لیکن مشاعرہ کے قریب،
 ناموں میں بعض تبدیلیاں ضروری ہوں تو جگر صاحب خود کرتے اور اپنے فیصلے
 سے واقف کرتے تھے ہاشم سعید صاحب سیاست میں رات کے ایدیر لپکتے تھے

یعنی جگر صاحب کے گھر جانے کے بعد وہ ۸ بجے شب سیاست آجاتے تھے۔ چوتھا صبح ۹ بجے سیاست آتے اور ۸ بجے شب تک رہتے۔ ۸ بجے کے بعد سے سیاست کی آخری کاپی پریس کے حوالے کرنے تک ہاشم سعید سیاست میں موجود رہتے۔ اور اپنا راج کی حیثیت سے اپنے مکمل اختیارات کو کام میں لیتے تھے اگر کوئی خاص نیوز ہو یا کوئی خاص بات ہو تو جگر صاحب کو مطلع کرتے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ جگر صاحب لازماً اخبار پھینچنے سے پہلے کسی بھی وقت سیاست آفس پہنچ جاتے تھے ہاشم صاحب نے کئی برس رات کی ڈیوٹی انجام دی۔ کام کی نوعیت کے لحاظ سے کبھی کبھی وہ دن میں بھی سیاست آجاتے تھے ہاشم صاحب نے اپنی ساری ملازمت اعتماد کے فضاء میں گزاری۔ کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا خوش اخلاق سے پیش آتے رہے۔ تمام ساتھی ان سے خوش رہتے۔ ہاشم صاحب اپنی اعتدال پستی کی وجہ سے بھی سیاست آفس میں شہرت رکھتے تھے متوازن طبیعت نے ہمیشہ ان کا ساتھ دیا۔ خود داری، اصول پستی، قرض شناسی ان کی اپنی مثال آپ تھی۔ سیاست کا تمام مذاق ہاشم صاحب کی عزت کرتا تھا ان کے ساتھ ان کا حسن سلوک یکساں رہتا ہوں نے اپنی ملازمت کے دوران اپنے کسی بھی ساتھی کا دل نہیں دکھایا۔ ان کے انتقال سے خلائ محسوس ہونے لگا ہے۔ کاروبار دنیا جاری رہتے ہیں لوگ آتے ہیں جلتے ہیں لیکن ان کی اچھائیاں، یادوں کا عظیم سرمایہ ہوتی ہیں سیاست میں ہاشم صاحب، عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کے بعد میرے محسن تھے ہاشم صاحب

مجھے بہت عزیز رکھتے تھے ان کا سلوک مجھ سے چھوٹے بھائیوں جیسا تھا
میرا رکھ رکھاؤ انہیں پسند تھا میری راست گوئی اور اپنے کام میں میری
گہری وابستگی سے وہ خوشی محسوس کرتے تھے ہمیشہ انہوں نے مجھے سیر کہہ کر
مخاطب کیا۔ کبھی سیر صاحب انہیں کہا۔ ان کا انداز مخاطب مخلصانہ ہوتا
تھا۔ ان میں غیر معمولی اپنائیت تھی۔ مجھ پر اعتماد کرنے تھے اور میرے احاطہ
ذمہ داری کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ میں انہیں ہاشم بھائی کہہ کر
مخاطب کرتا تھا۔ صنعتی نمائش کے سلسلے میں کئی برسوں سے نمائش کلب میں
مشاعرہ پورہا ہے۔ میں گزشتہ زائد از ۲۵ برس سے مشاعرہ کا ناظم رہا ہوں
ہاشم سعید صاحب کی عنایت سے مشاعرہ کا میں نہ صرف معتمد رہا بلکہ مجھ سے
شعرا کی فہرست طلب کی جاتی اور تقریباً میرے اپنے دیئے ہوئے نام مدعو
شعرا کی فہرست میں شامل رہتے بہ الفاظ دیگر شعراء کا انتخاب ہاشم صاحب
کی سرکردگی میں میرا ہی رہتا۔ ہاشم صاحب کی وجہ سے نمائش سوسائٹی کے ارکان
سے میری جان پہچان ہوئی اور پھر شنکری میموریل سوسائٹی کے مشاعروں
کی وجہ سے تو تمام ارکان نمائش سوسائٹی میرے کام کو قدر کی نگاہوں سے
دیکھا کرتے ہیں شنکری میموریل سوسائٹی کے مشاعروں کا آغاز جناب عابد علی
خان صاحب اور جناب محبوب حسین جگر صاحب کی شغفی دلچسپی سے ہوا۔
بہ الفاظ دیگر ان دونوں شخصیتوں نے ہی شنکری میموریل سوسائٹی کی بنیاد
رکھی۔ تقریباً ۱۹ برس تک شنکری مشاعرہ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب
کی راست نگرانی میں ہوتے رہے۔ ۱۹ برس تک شعراء سے مراسلت کا کام میرے

ذمے رہا۔ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کی منظوری کے بعد کالج بڑھانے کا
 اس مشاعرہ کے روح رواں نمائش سوسائٹی کے جوان سال ارکان محی الدین جیلانی
 سریندر جی اور وینکٹ راؤ مشاعرہ کے انصرام میں غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے۔
 سعید صاحب بھی بہت سے معاملات میں داخل رہتے تھے مجھے ہر سال نمائش
 سوسائٹی کے دوران شعبہ پہلیٹی کے انچارج رہتے تھے مجھے ہر سال نمائش
 سوسائٹی کے پاس لیتے تھے۔ ادھر کچھ برسوں میں نمائش کلب کا
 ایک خاص کاڈ بھی دیا کرتے تھے۔ جب بھی میں نمائش کلب آتا تو وہ کاڈ میری
 شیروانی پر لگا رہتا۔ ہاشم سعید نے کچھ اس انداز سے نمائش سوسائٹی کے ارکان
 کے سامنے میری پوزیشن مجھ پر قرار رکھا کہ ان کے انتقال کے بعد بھی نمائش کلب کے
 مشاعروں کا اعتماد میں ہی رہا کرتا ہوں۔ نمائش سوسائٹی کی ایک نہایت مختصر
 فعال شخصیت محی الدین جیلانی کی بھی تھی جو ہاشم سعید صاحب کے زمانے میں بھی
 کلب کے مشاعروں کے سلسلے میں دلچسپی لیتے تھے لیکن شعراء کا انتخاب اور مشاعرہ
 کے انتظام کی تمام تر ذمہ داری مجھے پورے اعتماد کے ساتھ سونپ دیتے تھے۔
 ہاشم سعید صاحب اور محی الدین جیلانی کی وجہ سے نمائش کلب کے مشاعروں اور
 تہذیبی پروگرام میں ایک تسلسل باقی رہا۔ تو قس ہے کہ اب بھی رہے گا ہاشم سعید
 صاحب نہایت بااخلاق، بامروت، نفیس انسان تھے ادبی شریک کے مشاعرہ
 کے انعقاد میں پہلے مشاعرہ سے ان کی حیات تک مشاعروں میں اہم ذمہ داریوں
 کو نبھاتے رہے۔ مشاعرہ گاہ کا مکمل انتظام ان کے ذمے ہوتا۔ نہایت
 چیر سکون انداز میں مشاعرہ گاہ کو آراستہ کرتے، بہترین انتظام سے شرکائے فحل

کو کچھ شکایت کا موقعہ نہیں دیا۔ ہاشم صاحب عابد علی خان صاحب کے دولت خانے پر منعقد ہونے والے تہذیبی پروگراموں میں شرکت کرنے تھے ریاست سے ان کا رشتہ مضبوط رہا۔ سیاست سے ان کی وفاداری اور گہری وابستگی مثالی رہی۔ ہاشم صاحب کا سیاست کی زینہ بہ زینہ ترقی کے لیے پوری دہائیوں کے ساتھ تعاون رہا۔ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب ہاشم سعید صاحب کو صرف ہاشم کہہ کر مخاطب کرتے کبھی انہوں نے ہاشم صاحب یا ہاشم سعید صاحب نہیں کہا۔ ان کا یہ اپنا پین نگھا کہ انہوں نے اپنی اپنائیت کا ہمیشہ علی اثبات دیا۔ انتقال سے کچھ عرصہ قبل سے ان کی صحت خراب تھی۔ جب بھی ہاشم سعید صاحب کی یاد آتی ہے فوجیہ ان کی وہ تمام مہربانیاں یاد آتی ہیں جنہیں میں تاجات نہیں سمجھوں سکتا۔ ہاشم سعید صاحب سیاست کے بغیر سب ایڈیٹر تھے ان کے لیے شمار انٹرویوز اور مضامین سیاست میں شائع ہو چکے ہیں۔ آخری دنوں میں بیماری کی وجہ سے سیاست سے تعلق برقرار نہ رکھ سکے۔ جب جگر صاحب کا انتقال ہوا تو کچھ عرصہ تک سیاست اخبار کے آخری اور پہلے صفحہ کی ذمہ داری انہیں سونپی گئی تھی۔ ہاشم صاحب اسکوٹر پر سیاست آتے تھے جب وہ جگر صاحب کے انتقال کے بعد رات کی ڈیوٹی کے انچارج مقرر ہوئے تو سیاست سے ان کے لیے موٹر کار بھیجواٹی جاتی تھی اور موٹر کے ذریعہ واپس ہوتے تھے ہاشم صاحب کو اساتذہ کسفن کے بہت سے شعر یا دتھے کئی گلوکاروں کے کیٹ ان کے ہاں موجود تھے وہ رؤف صاحب کے بہت مایوس تھے ہاشم صاحب کا انتقال ۱۹۹۹ء میں ہوا ان کا تہذیبی چادر کا بنی علی بن علی۔ یہ قول سکندر علی دہلوی

جانے والے کبھی نہیں آتے : جانے والوں کی یاد آتی ہے

عالتی شاہ

صاف گو، پاک باطن۔ کھرا انسان۔ منفرد افسانہ نگار

ایسا ظلم کار جو میں بیہوش ہوتے ہوئے بھی ہم کہتا ہے مجھے اچھا لگتا ہے
یعنی میں کہتا ہوں کی بجائے ہم کہتے ہیں کہنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ قلم کار
تنہا نہیں ہے سب کا ہے۔ سب کے ساتھ ہے۔ تنہائی کا رونا نہیں اڑتا
سب کے ساتھ رہنے کی بات کرتا ہے۔ اپنی ہی ذات میں گم رہتا ہے۔ اپنے ہی بار
میں سوچنے رہنا کوئی صحت مند علامت نہیں ہے۔ خاندان سے الگ
اور ہنگامہ آرائیوں سے دور رہنا ایک انسان کو بے شمار الجھنوں میں مبتلا
کرتا ہے۔ اُن گزرتے مصائب کا وہ شکار ہو جاتا ہے۔ معاشرہ سے کٹ کر
رہنا مصائب کو دعوت دیتا ہے سچا فن کار کبھی تنہا نہیں رہتا۔ اور اگر
وہ تنہا ہے بھی تو معاشرہ کی نرخی و مگرنی اُس کے ساتھ رہتی ہے دھوپ چھاؤں
کی تمازت و راحت رگ و پے میں حرارت پیدا کر دیتی ہے پھر خیالات
کا ہجوم اس کو تنہا کب رہنے دیتا ہے زندگی کی تمام تبدیلیاں اُس کے

ساتھ ساتھ رہتی ہیں وہ دونوں کیفیات سے گزرتا رہتا ہے اور معاشرہ میں ایک فعال و کارکردہ شخص کی طرح رواں دواں رہتا ہے عائق شاہ کا کہانیوں میں اگرچہ "میں" زیادہ ہے۔ لیکن ان کا تخیلی سروں کا بہ طور مطالعہ کیا جائے تو ان میں "میں" سمجھا پہنچا رہا ہے عائق شاہ محفل کے آدمی تھے ہمیشہ نرم و گرم حالات کا شکار رہا کرتے۔ انہوں نے زندگی کے ہر رنگ کو اپنا لیا تھا۔ انہوں نے کبھی بھی اپنی نجی زندگی میں بالیو کی کو اپنے نزدیک آنے نہیں دیا۔ وہ مسلسل سفر کے قائل تھے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ وہ تاحیات چلتے رہے ہیں انہوں نے کبھی بھی رک کر دم نہیں لیا۔ ان کی تحریروں میں ظلم و استبداد کے شکار پریشان حال لوگوں کا ذکر ملتا ہے۔ سماج میں نابرابری کے واقعات ملتے ہیں۔ بھوک، پیاس اور کشمکش حیات کا حل ملتا ہے عائق شاہ ایک منفرد افسانہ نگار تھے۔ ملک گیر شہرت رکھنے والے افسانہ نگار تھے عائق شاہ کے افسانوں کے کردار ستائے ہوئے انسان ہیں۔ مظلوم و بے سہارا لوگ ہیں۔ عائق شاہ نے تمام کرداروں کو ساتھ ساتھ ابھرنے کا موقع دیا ہر ایک کے وجود کو تسلیم کیا۔ ان کی نظروں میں ان کے افسانوں کے تمام کردار اپنا ایک الگ وجود رکھتے ہیں۔ انہوں نے کبھی کسی بھی کردار کو خلق نہیں رکھا ان سے کام لیا گیا ہے اور بات ہے کہ کچھ کردار آخری منزل تک ساتھ دیتے ہیں اور کچھ بیچ راستے میں ہی چھوڑ جاتے ہیں لیکن وہ ادھر سے نہیں لہتے بیچ راستے میں اگرچہ کہ وہ چھوٹ جاتے ہیں مگر ان کا وجود ختم نہیں ہوتا۔ کہانی کے ختم ہونے کے باوجود بھی وہ کردار ختم نہیں ہوتے دوسرے مرکزی

کرداروں کی طرح عاتق شاہ کا قلم جب کسی موضوع پر اٹھتا ہے تو پھر رکتا
 نہیں۔ سفر جاری رہتا ہے عاتق شاہ آندھروں اور طوفانوں کے مقابل
 بھی باحوصلہ رہتے ہیں اور دھیرے دھیرے تمام راستوں سے گزرتے
 ہوئے یا مقصد زندگی کے آخری حصوں تک پہنچ جاتے ہیں لیکن بات
 وہیں ختم نہیں ہوتی۔ وہی فن کار کا میاں فن کار کہلاتا ہے جن کا تخلیقی
 سفر جاری رہتا ہے یہ ظاہر قارئین کی نظروں میں افسانہ ختم ہو جاتا ہے لیکن
 اُس کے کردار ختم نہیں ہوتے۔ عاتق شاہ اپنی معاشی زندگی کو بہتر سے بہتر
 بنانے کے لیے مختلف شیب و فراز سے گزرتے رہے۔ حالات کا مقابلہ
 کرتے رہے۔ لیکن حالات سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ ہمت نہیں ہاری سماج سے آنکھ ملا کر
 گفتگو کرتے رہے۔ ان کا لب و لہجہ حالات کی بے رخی کے سامنے کبھی کمزور
 نہیں پڑا۔ انہوں نے مشکلات کے سامنے اپنا سر نہیں جھکایا۔ بلکہ وہ
 سینہ تان کر نیرنگی حالات کی کرشمہ ساز یوں کو دیکھتے رہے اور پوری
 طاقت و حوصلہ کے ساتھ زندگی کے ایک ایک پہلو کی قدر کرتے رہے۔ کب
 بھی لمحہ زندگی کو ضائع نہیں کیا۔ یا مقصد زندگی گزارتے رہے۔ اپنے قلم
 کا جوالا دکھاتے رہے۔ دوستوں سے خندہ پیشانی۔ ملتے رہے۔ عاتق
 شاہ کا پیدائشی نام اور اصلی نام شیر محمد خان تھا۔ قلمی نام عاتق شاہ۔
 جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کیا ۱۹۶۵ء میں یہ حیثیت پھر ارادہ و شجاعت اردو
 پیپس آف اریڈ سائنس کالج نانڈی پور میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۷۰
 کو یہ حیثیت پھر ارادہ و سردار پٹیل کالج سکندر آباد میں ملازم ہوئے

نمبر ۶۱۹۹۱ میں ذلیحہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ پہلا افانوی انشائیہ گرگٹ اخبار میزان میں ۱۲ مئی ۱۹۴۵ء کو شائع ہوا۔ ہندوستان و پاکستان کے ادبی رسائل میں ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہیں۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ فٹ پاتھکا خمیرادی ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا۔ افسانے کی دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں۔ ایک وقت کا کھانا (مارچ ۱۹۵۲ء) اندھیری (نومبر ۱۹۵۲ء) مائی ڈیر شکنتلا (یکم ستمبر ۱۹۵۵ء) ہم جنم جنم کے ساتھ (جون ۱۹۶۸ء) راستے کی کہانی (نومبر ۱۹۷۸ء) مہنٹ کی خاموشی (دسمبر ۱۹۸۶ء) طنز و مزاح میں چالیس قدم (جون ۱۹۹۱ء) انڈین کاجو (دسمبر ۱۹۷۹ء) ماموں کی بکریاں (دسمبر ۱۹۹۶ء)۔ رپورتاژ۔ عابد روڈ سے کمرشیل اسٹریٹ تک (جون ۱۹۶۶ء) خالی باتھ (مئی ۱۹۷۲ء) نثری تمثیل۔ میں کتنا سناتا ہوں (اکتوبر ۱۹۹۲ء) سوانح۔ میں جینوں گا (۱۹۹۴ء) ان کی بیشتر کتابوں پر ملک کی اُردو اکیڈمیوں کی جانب سے انعامات ملے۔ ۲۰ مئی ۱۹۹۹ء کو انتقال ہوا۔

عالمی شاہ صاحب سے میری پہلی ملاقات مائی ڈیر شکنتلا کی معرفت ہوئی۔ شکنتلا نے مجھے اپنے حسن ظاہری و بالہنی سے متاثر کیا۔ اس کے خطوط خال نے گرویدہ بنا دیا تھا اس کی خوشبو میرے دل و دماغ کو ہکاتی رہی۔ شکنتلا مجھے کسی دربارِ خاص میں نہیں دربارِ عام میں ملی۔ اور پہلی ملاقات میں آپس سے میری دوستی ہو گئی۔ شکنتلا اب بھی میرے ساتھ رہتی ہے (شکنتلا اُن کے افسانوں کی چوتھی کتاب ہے) عاتق شاہ صاحب سے ادبی مقلوں میں ملاقات ہوتی رہی۔ ہماری دوستی یا ملاقات کی عمر تین دہوں سے زیادہ مدت کی رہی۔

بڑے خوش مزاج انسان تھے جب بھی ملاقات ہوتی وہ مصافحہ کے بعد گلے ضرور
 ملنے لگتے تھے بعض دفعہ مصافحہ کے بغیر ہی گلے ملتے تھے کوئی خاص بات ہو اور خاص
 طور پر ایسی بات جو ان کے فکر و فن کی ہو تو کہتے "مصافحہ" مصافحہ کے لیے ہاتھ
 بٹھ جاتا۔ سیر گرم چٹنشی کا مظاہرہ کرتے تھے جس میں خلوص ہوتا تھا اپنا
 پن ہوتا تھا مصافحہ کے دوران ان کی ہتھیلی کی کم و بیش تمام حرارت ملنے
 والی ہتھیلی میں اُتر جاتی تھی۔ عائق شاہ ترقی پسند قلم کاروں میں اپنا ایک
 منفرد مقام رکھتے تھے شہر میں جتنے سینئر ترقی پسند قلم کار تھے ان سے ان کا
 پیار نہ تھا اپنے تمام ساتھیوں کو کھلے دل و دماغ کے ساتھ اپنے بہترین روابط
 کا احساس دلانے لگے عائق شاہ صاحب کے بعض خصوصیات دوست تھے جن کے ساتھ
 ان کا زیادہ وقت گزرتا تھا عاتقی شاہ صاحب کے میر کا بھی دم در راہ کا کافی
 پرانی تھی۔ وہ ہم سے ملنے مدینہ ہوئے آبا کرتے تھے یہ بات ۵۲ برس پہلے
 کی ہے جب میں اپنے بعض شاعر دوستوں کے ساتھ مدینہ ہوئے رات کے
 وقت بیٹھا کرتا تھا ہماری مدینہ کی نشست میں رئیس اختر کے علاوہ کبھی
 کبھی نام کر نولی بھی شریک رہتے۔ عاتقی شاہ صاحب کھلے ہلے رونق افروز ہوتے
 تھے حیدرآباد میں جب انجن ترقی پسند مصنفین کا اجاء ہوا تو عاتقی شاہ بھی اس
 سے وابستہ ہو گئے بلکہ ایک میعاد کے لیے وہ ہمدانجن ترقی پسند مصنفین بھی رہے
 ان کے دور میں گاندھی جیوں میں ۲۲/۲۱ جنوری ۱۹۸۹ء دو روزہ ترقی پسند مصنفین
 کی غالبان پیمائے پر کانفرنس ہوئی جس میں علی سردار جعفری، قمر رئیس، سید علیہ
 حسین اور راجو سکینہ نے بھی شرکت کی تھی۔ شہر کے مشاہیر ترقی پسند ادیب ڈاکٹر

راج بہادر گوڑا درڈاکٹر حسینی شاہد نے بھی جبر پور سے لیا تھا۔ راشد آؤر
 مستند تھے راقم الحروف اور نصرت علی الدین شریک مستند تھے۔ انجمن ترقی پسند
 مصنفین کے ابتدائی جلسے اردو ہال میں ہوتے رہے پھر منتقل طور پور بہری
 مارٹن انیٹیٹیوٹ میں ہوتے رہے۔ میرے شاعر دوستوں میں ناصر کرنولی ان
 سے بہت قریب تھے مدیر شگوفہ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال اور نامور طنز و مزاح نگار
 مسیح انجم سے ان کے گھر سے روابط تھے۔ عاتق شاہ مجھے بے حد پسند کرنے
 لگے۔ جب کبھی ملتے کہتے ”کیا حال ہے شاعر!“ انہوں نے کبھی میرا نام لے
 کر مخاطب نہیں کیا۔ بہت ہی یار باش، زندہ دل، پاک و صاف انسان تھے
 محمد قدوس ایڈوکیٹ ان کے ہم محلہ تھے ان سے بھی عاتق شاہ کی خوب گھلتی
 تھی۔ متادش اور ناصر کرنولی کے ادارت میں شائع ہونے والے ”رسالے“ ”پونم“
 میں ان کے افسانے شائع ہوتے رہے۔ شگوفہ میں مستقل طور پر ان کے افسانے
 شائع ہوتے تھے۔ ادبی حلقوں کے علاوہ عاتق شاہ سے دفتر شگوفہ پر ملاقات
 ہوا کرتی تھی۔ پیچلسرس کوارٹرس کے باب الداخلہ پر بھی ملاقات ہوتی تھی جہاں
 وہ اپنے قلم کار احباب بیٹھ کر گھیرے رہتے تھے۔ ان کا انداز گفتگو بے حد
 دلچسپ رہتا تھا جہاں کوئی نئی بات ہوتی مصافحہ کہتے اور ہاتھ بیڑھاتے۔ بہت
 سے کم عمر اور زیادہ عمر والے بعض دوستوں کی طرح عاتق شاہ بھی ادراق مافی کا
 حصہ بن گئے۔ یہ میری تاثراتی تحریر اپنے دیرینہ دوست کی دوستی اور محبت
 کی تندہ ہے جو ہمیشہ مجھ سے بھرپور خلوص کے ساتھ ملتے تھے خدا اہیں
 اپنی جوار رحمت میں خاص مقام عطا کرے۔

علی صدیقی

(عالی مشاعروں کے بانی۔ شاعروں ادیبوں کے سرپرست)

جب کسی شخص کی ابتدائی زندگی کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ آگے چل کر وہ شخص کیا اور کس طرح کے کارنامے انجام دے گا۔ اچانک کچھ ایسا کرشمہ سرزد ہو جاتا ہے کہ لوگ دنگ رہ جاتے ہیں کہ یہ کیا ہوا اور کس طرح ہوا۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ خدا سے قدوس جس سے جو کام لینا چاہتا ہے لیتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی مخصوص شعبہ میں ترقی کے زینے طے کرنا چاہتا ہے تو معاشرہ اُس کی حرکات و سکنات پر نظر رکھتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کچھ ایسے کارنامے انجام دیتا ہے کہ اُس کا جود اور اُس کے کام مثالی بن جاتے ہیں اور جہاں تک کسی کو نوازنے کی بات ہے یا کسی کے نوازے جانے کی بات ہے یہ صرف رب العزت ہی جانتا ہے کہ کس شخص کو کس طرح نوازا جائے۔ کبھی بعض لوگ ایسے شعبوں میں بھی نوازے جاتے ہیں جن سے بنیادی طور پر ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کبھی ایک معمولی آدمی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دیکھتے ہی دیکھتے

قوم کا بیڑا قائم بن جاتا ہے اسی طرح ایک شخص جس نے شعر و ادب کا کبھی باقاعدہ
 مطالعہ نہیں کیا وہ کچھ اس طرح کہے چونکا دینے والے کام انجام دیتا ہے کہ دنیا
 حیران رہ جاتی ہے چیزوری نہیں ہے کہ ہر ایک کے ماضی کے بارے میں جھانگ کر
 دیکھا جائے۔ زمانے کے سارے کاروبار موجودہ صورت حال کی روشنی میں جاری
 رہتے ہیں۔ کل کون کیا تھا اس کا سوسائٹی میں کیا مقام تھا بہت کم سوچنا
 جاتا ہے۔ آج وہ کیلے ہے آج وہ کونسا اہم کارنامے انجام دے رہا ہے آج
 کس طرح کی اہم شخصیتیں اس کے زیر اثر ہیں اس بات کی اہمیت ہے اس طرح کی
 خصوصیات کی حامل ایک شکل میری نظر میں ہے جو علی حدیقی کے نام سے جانی
 جاتی ہے علی حدیقی اپنی ذہانت اور اپنے کمال ہوشیاری کے سبب سماج میں
 اپنا ایک اہم مقام بنالیا تھا۔ چاہے وہ سیاسی میدان ہو کہ ادبی دنیا ان کا نام
 روزِ روشن کی طرح چمک رہا تھا علی حدیقی کوئی سیاسی قائد نہیں تھے نہ تو وہ کونسلر
 پر سے نرا ایم ایل اے نہ ایم پی پر سے اور نہ ہی ریاستی یا مرکزی وزیر رہے لیکن ایک خاص
 زمانے میں انہوں نے بہت سے سیاسی قائدین کو اپنے اثر و رسوخ سے حکومت کے
 اعلیٰ مقام پر پہنچایا۔ جب اندھا لگندھی اور پیوہ نہر ہمارا ڈوڈرا اے اس عظمیٰ تحفہ
 اس زمانے میں علی حدیقی کا طوطی بولتا تھا۔ اس دور میں وہ ایک اہم رابطہ رکھنے
 والی شخصیت رہے۔ ملک کا بیڑے سے بڑا سربراہ حکومت بعض سیاسی محلات
 میں ان سے تعاون حاصل کرتا تھا۔ اہل عرض لوگوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ علی حدیقی کی
 سیاسی، علمی و ادبی حیثیت کیلئے انہوں نے صرف یہ دیکھا کہ آج اس شخص
 کا ستارہ عروج پر ہے اور اس سے کا حقہ استفادہ کیا جاسکتا ہے اندر لگندھی اور

پی وی نہ سہاراؤ کے بیختر ایسے واقعات ہیں جن میں علی صدیقی کو دخل رہا ہے
 اندر اگانڈھی اور پی وی نہ سہاراؤ سے ملاقات کے لیے لوگوں کو ایک ایک ہفتہ کا
 انتظار کرنا پڑتا تھا لیکن علی صدیقی کے تعاون سے یہ مرحلہ بڑی آسانی سے طے
 ہو جاتا تھا وہ جیب چاہے ان دونوں شخصیتوں سے مل سکتے تھے ان کے لیے
 کسی بھی قسم کی رکاوٹ نہیں تھی بہ الفاظ دیگر علی صدیقی کے لیے ایوانِ حکومت کے
 دروازے کھلے ہوئے رہتے تھے۔ ان دو اشخاص کی قربت کی وجہ سے علی صدیقی
 عالمی شہرت کی حامل شخصیت بن گئے اور ان کا شمار ملک کی صفِ اول کی شخصیتوں
 میں ہونے لگا۔ علی صدیقی کی شخصیت ہی کچھ ایسی تھی کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے
 تعلق رکھنے والی اہم شخصیتیں ان کے زیرِ اثر آجاتی تھیں۔ دلی کی سیاسی زندگی نے علی صدیقی
 کو ہر قسم کی سہولتوں سے فیضیاب کیا۔ بے حساب دولت کے مالک بن گئے لیکن انہوں
 نے جو کچھ ملتا تھا اسے اپنے پاس نہیں رکھا۔ لاکھوں روپے شہری ادبی و قلمی
 سماجی کاموں کے لیے صرف کیے۔ شہری و ادبی دنیا سے ہٹ کر علی صدیقی مرحوم کا
 ایک بیڑا کا نام یہ ہے کہ انہوں نے پہلی بار دلی میں کیمپوٹر کی تعلیم کا ایک بہت
 بڑا ادارہ قائم کیا جو آج بھی کیمپوٹر کا معیاری مرکز سمجھا جاتا ہے اس کے علاوہ انہوں
 نے حیدر آباد میں سابقہ لبرٹی ٹاکنز بشیر بلاغ کے قریب کیمپوٹر ٹریننگ سنٹر قائم
 کر کے نئی نسل کو عصرِ جدید کے تقاضوں سے روشناس کروایا۔ اس سے ہٹ
 کر ان کا ایک اہم کارنامہ عالمی مشاعروں کی بنیاد رکھنا بھی ہے علی صدیقی ایک عام
 آدمی تھے ان کی تعلیم بھی ابتدائی جماعتوں سے آگے نہ بڑھ سکی۔ ان کا تعلق نہ
 تو کسی کالج سے تھا اور نہ ہی کسی یونیورسٹی سے۔ اس کے باوجود ملک کی بعض اہم اہم

ابن قلم شخصیتیں ان کی کرم فرمایوں کی سرمدی منت رہیں۔ اردو کے تقریباً تمام
صف اول کے اساتذہ و قلم کار (شاعر و ادیب) ان کے دائرہ اختیار میں تھے
علی صدیقی نے عالمی اردو کانفرنس کی سرگرمیوں کے سلسلے میں تقریباً تمام مشاہیر
اردو زبان و ادب کو اپنا ہم خیال بنالیا تھا ان کی شابان شان خدمت کی کئی
اہم شخصیتوں کو الوارڈز سے نوازا۔ انعامات و اکرامات و اعزازات دیئے اور
دلوائے۔ پانی کی طرح روپیہ بہایا لیکن کبھی بھی عالمی اردو کانفرنس تقاریب کو
اعلیٰ معیار سے گرنے نہیں دیا۔ دلی اور ممبئی میں نہیں بلکہ ملک کے بعض اور
شہروں میں علی و ادبی جلسوں کا اہتمام کیا۔ اس طرح انہوں نے زبان و ادب کی
بہت خدمت کی۔ اعلیٰ پیمانے پر علمی و ادبی تقاریب میں روپیہ بہت خرچ ہوتا ہے
لیکن علی صدیقی کو کبھی اپنی تنگدہ داسنی کی شکایت نہیں رہی۔ کسی بھی جہان کو شکایت
کا موقع نہیں دیا۔ علمی و ادبی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بعض اس قدر اہم اور
اعلیٰ پیمانے پر علمی و ادبی تقاریب منعقد کیں کہ ملک کے بڑے بڑے ادارے بھی
بذکر سکے۔ علی صدیقی جتنا خرچ کرنے اُس سے کہیں زیادہ پیسہ انہیں ملتا تھا ان
میں یہ بھی صلاحیت تھی کہ خاص طور پر حکومت کی سطح پر کچھ قسم کا تعاون حاصل کرنا چاہئے
وہ جانتے تھے کس حکم سے کتنا روپیہ حاصل کیا جاسکتا ہے حکومتی سطح پر اس قدر با اثر
تھے کہ ان کا ہر کام بہ آسانی انجام پاتا تھا۔ علی صدیقی کی جہان نوازی مثالی بیوقوفی تھی
سیاسی، علمی و ادبی سرگرمیوں کے علاوہ ساری دنیا میں مشغول کو فروغ دینے میں
علی صدیقی کا نام نمایاں رہے۔ گلاٹھن عروں کی تاریخ میں ان کا نام صف اول کی فہرست
میں شامل ہے۔ علی صدیقی نے عالمی اردو کانفرنس کے زیر اہتمام ملک میں ہی نہیں بیرون

ملک میں بھی مشاعروں کا اہتمام کیا۔ شعراء کو ان کی حیثیت سے زیادہ نوازا۔
 مشاعروں کو وہ اتنا زیادہ معاوضہ دیتے تھے کہ مشاعرے منعقد کرنے والی
 دیکھری تنظیموں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ علی صدیقی نے بے شمار مشاعروں اور
 شاعرات کو روشناس کرایا لیکن ان کی فراخ دلی کی وجہ سے بہت سے مستشاعر اور
 مستشاعرات بھی منظر عام پر آئے۔ علی صدیقی کے زیر اہتمام ہونے والے مشاعرے
 سے پہلے مستشاعروں اور مستشاعرات کی اتنی بہتات نہیں تھی ان کی وجہ سے دونوں
 زمروں کے لوگ زیادہ معاوضہ حاصل کرنے لگے اور ملک اور بیرون ملک کے مشاعروں
 میں مدعو کیے جاتے ہیں علی صدیقی کی غلط بخشش کی وجہ سے جہاں اردو مشاعروں
 کے ذریعے اردو زبان کی تشہیر ہوئی وہیں مشاعروں کی اعلیٰ روایات کو نقصان
 بھی پہونچا۔ علی صدیقی کے مشاعروں کے طریقہ کار پر منتقدانہ آراء سامنے آ سکتی ہیں
 علی صدیقی کو حیدرآباد سے بہت محبت تھی وہ حتیٰ الامکان اس بات کے لیے
 کوشاں رہتے کہ ان کے شہر کے شاعر بھی بڑے بڑے مشاعروں میں مدعو کیے جاتے
 رہیں۔ وہ کسی تنظیم کا یا حکومت کے کسی سربراہ کی توجہ کا انتظار کیے بغیر اپنے
 مشاعروں میں حیدرآباد کے بعض نامندہ شاعروں کو مدعو کیا کرتے تھے۔
 ٹھیک یاد ہے انہوں نے بمبئی اور دلی کے مشاعروں میں حیدرآباد کے اپنے پسندیدہ
 شاعروں سعید شہیدی، خیرات ندیم، کنول پریشار کنول، شاذ تمکنت، صلاح
 الدین میر، بوگس حیدرآبادی، عزیز انصاری کو مدعو کیا تھا۔ علی صدیقی صاحب نے
 مجھے بمبئی کے ایک اور دلی کے دو مشاعروں میں مدعو کیا تھا جب انہوں نے بمبئی کے
 مشاعرہ میں مدعو کیا تھا اس مشاعرہ میں میرے علاوہ حیدرآباد سے سعید شہیدی، کنول

پیر شاد کنولی، خیرات ندیم نے شرکت کی تھی۔ دلی کے دو شاعروں میں جو عالمی اردو کانفرنس کی جانب سے منعقد ہوئے تھے امیر احمد خسرو اور مجھے مدعو کیا گیا تھا۔ دلی میں انہوں نے مجھے اور امیر احمد خسرو کو کسی ہوٹل میں ٹھہرانا مناسب نہیں سمجھا بلکہ اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ دلی منتقل ہونے سے پہلے علی صدیقی صاحب حیدر آباد میں کل ہند شاعرے منعقد کیا کرتے تھے بعض شاعرے مقامی طور پر بھی منعقد کیے۔ حیدر آباد میں ان کے زیر اہتمام ہونے والے ہر مشاعرہ میں انہوں نے مجھے مدعو کیا تھا۔ شعراء کو مدعو کرنے کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ کیا کرتے تھے جب حیدر آباد سے وہ دلی منتقل ہو گئے تو وہاں کے سیاسی و غیر سیاسی ادبی و تہذیبی شخصیتوں سے ان کے مراسم بڑھنے لگے۔ میں نے عالمی اردو کانفرنس کے مشاعرہ میں دیکھا ہے جو ان کا غالبہ دلی میں منعقد ہوا تھا اس مشاعرہ میں مجروح سلطان پوری، علی سردار جعفری، کیفی اعظمی اور ایسے ہی کئی دیگر شاعروں کو مدعو کیا گیا تھا میں نے شاعرے سے پہلے احمد درویش مشاعرہ یہ محسوس کیا کہ یہ تمام شاعر پوری طرح علی صدیقی کے زیر اثر ہیں۔ علی صدیقی بہت بولتے تھے ان کی بات کو کوئی بھی کاٹ نہیں سکتا تھا۔ بھاری بھر کم شخصیت ہونے کے علاوہ ان کی آواز بھی گرجدار تھی جب وہ کہتے تو لوگ صرف سنتے جاتے تھے درمیان میں کچھ نہیں بولتے تھے ویسے بھی علی صدیقی صاحب کسی کو در بیان میں بولنے نہیں دیتے تھے۔ ان کی شخصیت کے دبدبہ سے تمام شاعر متاثر تھے بعض بڑے شاعروں کی رقی اعانت کرتے تھے بعض کے لیے وظائف مقرر کر دیتے تھے ملک بھر کے شاعر علی صدیقی کی چشم کرم کے منتظر رہتے تھے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ وہ شعراء کو دل کھول کر مواضع دیتے تھے شعراء اور مشاعرہ کی شہرت

کے لیے روپیہ بہت خرچ کرتے تھے کئی علمی و ادبی تقاریب کے دعوت ناموں کے علاوہ مشاعروں کے دعوت نامے بھی ہتھالی ہوتے تھے نہایت دیدہ زیب اور چمکے ہوئے تھے دعوت ناموں میں بھی ان کی انفرادیت تھی۔ علی صدیقی معیاری چلے کرتے ملک کی جن اہم شخصیتوں کو بھی انہوں نے مدعو کیا وہ بلا تامل شرکت کیا کرتے۔ اپنے مشاعروں میں پاکستان کے تقریباً تمام اہم شاعروں کو مدعو کرنے کا سہرا علی صدیقی کے سر جاتا ہے علی صدیقی نے پاکستان میں عالمی اردو کانفرنس کے مشاعرے منعقد کیے۔ شکاگو میں مشاعرے برپا کیے۔ علی صدیقی حیدرآباد کے ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن قسمت نے اُن کی اس طرح یاد دہانی کی کہ کڑی سونا ہو گئی۔ علی صدیقی صاحب کا بہت بڑا دل تھا سنی آدمی تھے خوب دل کھول کر روپیہ خرچ کرتے تھے۔ دلی میں مستقل خیام کے باوجود وہ بار بار حیدرآباد آتے تھے اپنے دوستوں، رشتہ داروں سے ملتے تھے ہر ممکنہ اُن کی مالی امداد کرتے تھے۔ وہ سیاست آفس بھی آئے تھے علی خاں صاحب اور دیگر صاحب سے ملاقات کرتے تھے علی صدیقی کو ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں سے بھی دلچسپی تھی ایک مشاعرہ میں وہ اپنے ذاتی اخراجات پر مہمان شعراء کو مشاعرہ میں لے کر آئے۔ سیارت کو ہندوستان کا صف اول کا اختیار رکھتے تھے علی صدیقی صاحب نے اپنی زندگی کے تمام اچھے دن دلی میں گزارے۔ بے تاج بادشاہ کی طرح رہے۔ زندگی کے آخری دنوں میں ان کی طبیعت ناساز رہنے لگی۔ زندگی میں بہت بھاگ دوڑ کی لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ زندگی کے آخری دن حیدرآباد میں اپنے وطن عزیز میں گزارنے

چلے بیٹے۔ ناسازی مزاج کے باوجود بعض جلسوں میں شریک ہو کر تھے میری شاعری انہیں بہت پسند تھی۔ انہوں نے بہت کچھ سوچا تھا لیکن زندگی نے اُن سے وفا نہیں کی۔ علی صدیقی اپنے وطن حیدرآباد میں سپرد خاک ہوئے۔ مجلس اتحاد المسلمین سے بھی انہیں قلبی لگاؤ تھا جاسم نظامیہ کی ترقی کے خواہاں تھے حیدرآباد کے شاعروں، ادیبوں کی خدمت انجام دینے کے لیے ٹرسٹ قائم کرنا چاہتے تھے۔ بہت اچھے اچھے منصوبے ان کے دل ہی دل میں رہے جو عملی صورت اختیار نہ کر سکے۔ علی صدیقی کی صافنی زندگی کا آغاز ان کے ایک مشہور جریدہ "ابن الوقت" سے ہوا۔ علی صدیقی ابتدائی زندگی سے ہی فعال و متحرک رہے۔ لاکھوں روپے لکائے لاکھوں روپے لٹائے۔ ادھر سے پیسے آنا رہا ادھر جانا رہا۔ ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ ان کے پاس جو بے شمار و ناباب تصویریں ہیں خاص طور پر مشاعروں کی۔ ایک خصوصی لائبریری قائم کی جائے۔ ہر انسان کو اپنی زندگی میں دھوپ اور چھایوں سے سلیقہ پینا ہے اچھے دن بھی دیکھنے کو ملتے ہیں اور راتوں میں۔ ہر انسان مختلف خصوصیات کا حامل رہتا ہے لیکن یہ طے ہے معاشرہ کے ہندوب لوگوں کی نظر: صبح کی پہلی کرن پر ہی رہتی ہے علی صدیقی صاحب بھی سورج کی دو پہلی کرن تھے جن کی روشنی خاص طور پر مشغور ادب اور علمی و ادبی سرگرمیوں میں پھلتی رہی۔ علی صدیقی کی اردو خدمات کے سلسلے میں اُن کے اشغال کے کچھ دن بجا دارہ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے ایک بڑا تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا تھا جس میں شہر کا ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی تھی۔

ابن احمد تائب

(مشاعروں کے کامیاب شاعر)

بعض شاعر مشاعروں کے لیے ناگزیر ہوتے ہیں جن کے بغیر
 مشاعروں کی کامیاب فضا میں ایک ٹھہراؤ آجائے جن کو سننے کے لیے
 با ذوق سامعین جوق در جوق مشاعرہ گاہ چلے آتے ہیں جن کی مقبولیت
 کا یہ عالم رہتا ہے کہ تالیوں کی گونج میں ان کا استقبال کیا جاتا ہے۔ ان
 کے کلام سے لطف اندوز ہونے والے دو طرح کے سامعین ہوتے ہیں کچھ تو
 خالص ادبی ذوق رکھنے والے ہوتے ہیں جو ہر اچھے شعر پر کھل کر داد دیتے ہیں
 ان کی نظر میں کسی شاعر کا مشہور و مقبول ہونا ضروری نہیں ہونا کچھ ایسے
 سامعین بھی رہتے ہیں جن کی داد بے تحیق میں فستہ کی انداز بھی شامل
 ہو جاتا ہے پچھلے زمانے میں تفریحی مزاج رکھنے والے سامعین کی تعداد بہت کم
 رہنی تھی لیکن ان دنوں مشاعروں کی فضا کچھ اس طرح بدلی ہوئی ہے کہ
 یہ اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ شاعر کو داد کی جارہی ہے یا نہ اس کا

مذاق اڑایا جا رہا ہے پچھلے ۲۵، ۳۰ سال پہلے جو مشاعرے ہوتے تھے ان میں زیادہ تر باذوق سامعین رہتے تھے آج کل کے مشاعروں میں پچھلی روایتوں کو باقی نہیں رکھا جا رہا ہے لیکن اس کی یہ معنی نہیں کہ تمام کے تمام سامعین اس طرح کے ہوتے ہیں حیدرآباد کے مشاعروں میں ملک بھر کے نامور شاعروں کے علاوہ نوآموز شاعروں نے بھی شرکت کی ہے حیدرآباد کے ایسے مشاعرے جن میں صرف حیدرآباد کے شاعر ہی کلام سناتے تھے ان میں اساتذہ سخن کو ان کے شاگرد بھی شامل سمیت تھے آج بھی وہ روایت باقی ہے ہر دور میں آدابِ محفل کے انداز یہ جداگانہ رہے ہیں۔ پہلے کے مشاعروں میں اساتذہ سخن کے لیے ایک جگہ محفل رہتی تھی جو شہ نشین کے قریب ہوا کرتی تھی ایک طرف شہر کی معزز شخصیتیں علوہ مقام پر رونق افروز رہتی تھیں شہ نشین سے ذرا ہٹ کر جو نیر شاعروں کی نشستیں رہتی تھیں ان کے پیچھے عام شکرکائے محفل کی نشستیں رہتی تھیں لیکن اب یہ امتیاز ختم ہو چکا ہے کچھ برسوں پہلے تک مشاعروں میں بعض شعراء بہ حالتِ نشہ شریک رہا کرتے تھے لیکن میں نے ایسے شاعروں کو بھی دیکھا ہے جو مائیک کے پیچھے کھڑے ہو کر کلام سناتا تھا تھے میں نے ایسے شاعر بھی دیکھے ہیں جو لڑکھڑاتے ہوئے شہ نشین تک پہنچ جاتے اور پھر مشاعرے کے اختتام تک سوتے رہتے۔ اردو ہال کے ایک مشاعرہ میں علی سردار جعفری کو میکانے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ شیلڈ (خیمہ) تو حاصل مشاعرہ رہا۔ مشاعروں کے تعلق سے

بہت سے واقعات ہیں جو سر محفل بھی ظہور پذیر ہوئے اور مشاعروں کے
 آغاز سے پہلے اور بعد میں بھی۔ ابن احمد تاب کے ساتھ میں نے
 بہت سے مشاعرے پڑھے ہیں ان میں میں شاید ہی کسی مشاعرہ میں بغیر
 نشر کیے دیکھا ہو۔ لیکن تاج صاحب نے کبھی بھی مشاعرہ خراب نہیں کیا۔ مشاعروں
 میں کوئی ایسی حرکت نہیں کی کہ جو مشاعروں کے ناکام ہونے کا باعث رہی
 ہو۔ میں نے اکثر دفعہ دیکھا ہے کہ مدبر ماہنامہ صبا سلیمان ارباب کے ساتھ
 وہ مشاعروں میں شرکت کرتے تھے جب یہ دونوں جمعہ منے جھامتے مشاعرہ
 گاہ میں آجائے تو ساری محفل میں جان پڑ جاتی۔ سلیمان ارباب ہمارے
 شہر کے بہت مقبول شاعر تھے بار بار ان سے کلام سامعین سننا چاہتے
 تھے بھی حال ابن احمد تاب کا بھی رہتا تھا سلیمان ارباب اپنے مخصوص
 ترنم میں کلام سناتے تھے۔ غزل سے پہلے راز گانے رباغیاں سناتے تھے خاص
 طور پر اس رباغی کی فرمائش کی جاتی۔

پھر حافظ و غالب کو جو اتنی دیدوں : خبام کو پھر قالب ثانی دیدوں
 اک بیل کے لیے میں جو خدا بن جاؤں : دنیا کو بس انگور کا پانی دے دوں
 ابن احمد تاب کے ترنم میں بلا کا سوز تھا پُر اُزدل کو چھوٹے والا ترنم
 تھا بہت عمدہ غزلیں کہتے تھے ہمارے شہر کے مقبول ترین شاعر تھے جو
 شہر کے ہر بڑے مشاعرہ میں مدعو رہتے تھے اس دور میں صبا کے آفس کمرہ
 نمبر ۱ میں شعراء کا جمعہ ہوتا تھا صبا کے دفتر پر مخدوم محمدی الدین ہیں کبھی
 کبھی آتے تھے شاہد صدیقی، وحید اختر، قمر ساعی، شاد تمکنت، عزیز فیضی

کنول پیرٹا کنول کے علاوہ شمس الدین تاباں، امان ارشد اور س۔ ا۔ عشرت
 کا بھی آنا جانا رہتا۔ مشاعروں میں شرکت کے لیے جانے سے پہلے اکثر دفعہ شعراء
 وہاں جمع رہتے۔ ابن احمد تاب کو میں نے کسی ایک مشاعرہ میں بھی نہیں دیکھا
 سلیمان اریب اور ابن احمد تاب ایک ساتھ مشاعروں میں شرکت کرتے تھے
 مجھے یاد ہے کہ ۴۴ برس پہلے اردو ہال میں شاعروں، ادیبوں کی امداد کے لیے
 مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا تھا جس کے دہلی شمس الدین تاباں اور ابن احمد تاب تھے
 اس مشاعرہ میں مخدوم فی الدین کی غزل کا یہ مصرعہ بطور طرح دیا گیا تھا۔
 زندگی موتیوں کی ڈھلکتی لڑی، زندگی دردِ غم کا بیاں دو سونو

اس مشاعرہ میں شہر کے بہت سے شاعروں نے شرکت کی تھی۔ میں بھی مدعو تھا
 میں نے بھی طرح میں غزل سناؤں تھی۔ اس مشاعرہ کے بعد ادبی ٹرسٹ کے قیام
 کی راہ ہموار ہوئی۔ ابن احمد تاب نے اپنی حیات تک ادبی ٹرسٹ کے ہر مشاعرہ میں
 شرکت کی۔ ان کا انتقال ۱۹۷۳ء ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد ادبی ٹرسٹ نے
 ان کا مجموعہ کلام اہتمام سے شائع کیا۔ اس کتاب کے ساتھ ساتھ
 استاد سخن ادب معقوبی صاحب کا مجموعہ کلام گرفتِ نظر بھی شائع ہوا۔ حیدر آباد
 میں ہر دور میں ملک کے صف اول کے شاعروں کو مدعو کیا جاتا رہا ہے۔ میں نے
 جگر مراد آبادی، جوش ملیح آبادی، تلوک چند محروم، منور کھنوی، اسد ناز آئن
 ملا، نریش کارشاد، حفیظ جالندھری، بہتر ادکھنوی، شان الحق، قیسل شفقانی
 کے علاوہ تقریباً تمام ترقی پسند شاعروں کے ساتھ شاعر پڑھے ہیں جن
 میں قابل ذکر فیض احمد فیض، فراق گورکھپوری، مجروح سلطان پوری، ساحر

لدھیانوی، جگن ناتھ آزاد، جاں نثار اختر، اختر الایمان، علی سردار جعفری
 کیفی، شاعری کے علاوہ شکیل بدایونی، فناظی وغیرہ میں —————
 پاکستان کے منتخب ائمہ احمد قراز، جون ایلیا، حمایت علی شاعر و عیزہ کے ساتھ بھی
 مشاعروں میں مدعور رہا ہوں۔ ابن احمد تاب اگرچہ پیرانے شہر میں رہتے تھے
 لیکن زیادہ تر وہ نئے شہر کے مشاعروں کے ساتھ دکھائی دیتے تھے ابن احمد تاب
 کو ادارہ سیاست کی بھی سرپرستی حاصل تھی سیاست میں ان کی غزلیں بھی شائع
 ہوتی رہتی تھیں۔ ابن احمد تاب کے مجموعہ کلام کی کثابت و اشاعت میں ان
 نے بھرپور تعاون کیا تھا ان کے انتقال کے بعد ان کا مجموعہ کلام شائع ہوا۔
 ان کا کلام مختلف بیاضوں میں اور مختلف اوراق کی شکل میں ادھر ادھر
 رکھا ہوا تھا میں۔ چکر صاحب کی ہدایت پر ان کے گھر جاتا اور ان کے بڑے بیٹے
 کے تعاون سے غزلیں جمع کرتا رہا۔ مجموعہ میں ابن احمد تاب کا منتخب کلام شائع
 ہوا ہے بہت ممکن ہے اس مجموعہ کے علاوہ کچھ اور کلام بھی ان کے ورثہ کے
 پاس ہو۔ ابن احمد تاب پیرانے شہر کے مشاعروں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ پیرانے
 شہر کے کئی مشاعروں میں انہیں کلام سنانے سے بھی دیکھا ہے اس دور
 کے مقبول شاعر تھے بزم جیون کے مشاعروں میں خاص طور پر شرکت کرتے تھے
 بزم جیون کے مشاعروں میں مخدوم می الدین، شاہد صدیقی کے علاوہ سلیمان اریب
 نے بھی شرکت کی ہے ڈاکٹر سعید می الدین قادری زور، ابن احمد تاب کو بہت
 چاہتے تھے اسی طرح مولوی حبیب الرحمن اور ڈاکٹر حسینی شاہد بھی ان کے قدر
 دانوں میں شامل تھے اس دور کے تمام مشاہیر ائمہ کو ابن احمد تاب کی

شاعری نے متاثر کیا۔ ایوانِ اردو اور انجمن ترقی اردو کے ہر مشاعرہ میں ساین احمد
 کتاب موجود رہتے۔ پروفیسر حمید الدین شاہد نے کئی مواقع پر ابن احمد کتاب کی
 سرپرستی کی۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ کتاب صاحب اس دور کے اساتذہ
 سخن نجمِ افندی، کامل شطاری، قدحِ ربیع، تاج قریشی کا احترام کرتے تھے ابن احمد
 کتاب کا شمار نثری پسند شاعروں میں ہوتا ہے ان کی بعض غزلیں بہت زیادہ مشہور
 رہی ہیں مشاعروں پر چھاجلتے تھے انہیں میں نے تقریباً ہر مشاعرہ میں کامیاب
 شاعر کی حیثیت سے دیکھا ہے میں نے ابن احمد کتاب کے ساتھ اکثر اضلاع کے
 مشاعرے پیڑھے ہیں ایک ہی ویان یا ایک ہی کاریں ہم ایک ساتھ مشاعروں
 میں شرکت کرتے رہے ہیں ابن احمد کتاب محکمہ بلدیہ میں ملازم تھے آفیروں کی
 ہربانیوں سے وہ تادمِ حیات اپنی ملازمت پر باقی رہے ابن احمد کتاب محض
 آدمی تھے جو نیرِ شاعروں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے کتاب صاحب نے ہمیشہ میری
 پذیرائی کی۔ اچھے لوگ جب اس دُنیا سے اٹھ جاتے ہیں تو ان کی یادیں باقی رہ جاتی
 جاتی ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں کئی اچھے اچھے لوگوں کو اس دارِ فانی سے رخصت
 ہوئے دیکھا ہے لیکن وہ جب یاد آنے ہیں تو مسلسل یاد آتے ہیں۔

ساجد رضوی

(خوش فکر، خوش گلا، مجاذب نظر، پُر ہمار شخصیت)

میرے دوستوں کی ایک طویل فہرست ہے مختلف شعبہ عیات سے تعلق رکھنے والی شخصیتوں، سبھی اہم و راہ ہے۔ یہ شمار شاعروں سے روابط ہیں لیکن ایسے شعراء جو میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں میرے ہم خیال میرے ہم جلس اور دل سے چاہنے والے تھے ان میں ایک ناقابل فراموش شخصیت ساجد رضوی کی بھی ہے ساجد رضوی نہایت خوبصورت، مردانہ حسن کا شاہکار تھے بہترین غزل گو ہونے کے علاوہ سحر آگین پُراثر ترنم میں کلام سناتے تھے۔ انہوں نے مرثیے اور نوحے بھی پکھے ہیں بے داغ باطن اعلیٰ درجہ کی شہزادانی، سفید پایا جاتے زیب بن کیے ہوئے رہتے۔ عمدہ محتاج کیا پ پھنتے تھے۔ ساجد رضوی اپنے دور کے مقبول ترین شاعروں میں سے ایک تھے میں نے اُن سے ہر غزل ترنم میں سنی ہے علامہ نجم آفندی کے شاگردوں میں اُن کا شمار ہوتا ہے انہیں میر ثامن علی تپساں اور علامہ ناصر زیدی

سے بھی شرفِ تلمذ حاصل رہا۔ علامہ نجم آفندی کے جن فریب نازین شاگردوں
 سے میں زیادہ واقف ہوں ان میں خاور نوری، قائم جعفری، ڈاکٹر صادق نقوی
 اور انرغوری قابل ذکر ہیں مگر ان تمام میں ساجد رضوی کی ایک مخصوص
 پہچان تھی۔ اُس دور میں (یعنی زائد از ۳۵ برس پہلے) وہ جبر آباد کے ہر
 بڑے مشاعرہ میں کلام سناتے تھے۔ اُس دور کے سینیئر اساتذہ سخن میں
 حضرت جبر پاشا، مولانا کامل شطاری، علامہ قدر علی، حضرت تاج
 قریشی، سیف حموی، احمد علی شہاب وغیرہ ساجد رضوی کی شاعری و شخصیت
 سے متاثر تھے۔ ساجد رضوی بھی ان اساتذہ کرام کی دل و جان سے قدر کرتے
 تھے ان کا احترام کرتے تھے ان اساتذہ سخن کی محفلوں میں شرکت کرنے
 سے مشاعروں کی نہدیسی روایات سے واقفیت حاصل ہوتی تھی۔ تمام
 اساتذہ سخن آپس میں بشیر و شکر کی طرح رہتے تھے ایک دوسرے کے کلام
 کی جی کھول کر داد دی جاتی تھی۔ اس دور میں علامہ نجم آفندی کی زیر سرپرستی
 سفینہ ادب کے مشاعروں نے کافی شہرت حاصل کر لی تھی، حضرت قدر علی
 کی سرپرستی میں قائم کردہ انجمن قدر ادب کے مشاعرے بھی اپنی آپشنال
 تھے پھر مولانا کامل کے دولت خانہ پر ہر ماہ ہونے والے بزم کامل کے
 مشاعروں کی بات ہی کچھ اور تھی۔ ان تمام محفلوں میں اساتذہ سخن موجود
 رہتے تھے ہر استاد کے کچھ نمائندہ شاگرد بھی اپنا کلام سناتے تھے جن کی تمام
 اساتذہ سخن حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ میں علامہ قدر علی کا بھی شاگرد
 رہا ہوں اور ملک الشعراء اور بحقوبی کا بھی۔ میں قدر ادب کا محمد عجمی

بھی رہ چکا ہوں اس کے علاوہ ان دنوں اتحادِ شعراء کے نام سے ایک نمائندہ
 انجمن قائم کی گئی تھی جس سے شہر کی تقریباً ۲۲، ۱۲۳ انجمنوں کا الحاق تھا
 میں اس انجمن کا جنرل سکریٹری تھا اور حضرت علامہ نجم آفندی اس انجمن
 کے صدر شعبین تھے جس کے مشاعرے نہایت پابندی کے ساتھ حضرت قدر علیہی
 کے دولتِ خلفیہ پر ہوا کرتے تھے جس میں مولانا کامل شطاری، حضرت علامہ
 نجم آفندی، حضرت تاج قریشی، حضرت قدر عربی، سیف حموی، اوج
 یعقوبی صاحب خوابہ شوق صاحب اور شہر کے نمائندہ نوجوان شعراء
 بھی شرکت کرتے تھے۔ اُس زمانے میں یوں تو شہر میں کئی اور انجمنیں تھیں
 لیکن زیادہ تر شہرہ ان ہی انجمنوں کا تھا جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔
 پرانے شہر میں شہر ادب اور بزمِ جیون کے بھی بڑے چرچے رہے شہر ادب
 کے سربراہ فرید مبین تھے اور بزمِ جیون کے جیون محل جیون۔ بزمِ جیون
 میں شہر کے تمام مشہور شعراء شرکت کرتے تھے۔ میری معتمدی کے زمانے میں
 مخدوم محی الدین نے بھی ایابِ مشاعرے کی صدارت کی تھی۔ لیکن اس طرح کی محفلیں
 رفتہ رفتہ کم ہوتی گئیں۔ ان کی جگہ نئی انجمنوں نے کام کرنا شروع کیا۔ اس وقت
 بھی ہمارے شہر میں کئی شعری و ادبی انجمنیں زیاں و ادب کی خدمات انجام دے
 رہی ہیں حالات کے لحاظ سے ادبی انجمنوں کی سرگرمیاں اپنے اپنے انداز سے
 جاری ہیں پہلے پرانے شہر میں ادبی انجمنوں کی جانب سے صرف مشاعرے ہوتے
 تھے ادبی جلسے نہیں ہوتے تھے اکثر مشاعرے طرعی ہوتے تھے۔ میں نے دیکھا ہے
 ہر استادِ سخن کے پڑھنے کا انداز دوسرے استادِ سخن سے جدا ہوتا تھا۔ علامہ

نجم آفندی تخت میں کلام سناتے تھے اور کوئی خاص شعر یہ تو کہتے جہاں جہاں
 حضرات ہیں سنیے۔ مولانا کامل شطاری کبھی کبھی تخت میں شعر سناتے تھے علامہ
 قدر عریضی ہر غزل ترنم سے سناتے تھے ان کا ترنم پڑا اثر ہونا تھا اور
 آواز ناپا یاد اور نغمی حضرت سیف حموی بھی ترنم میں کلام سناتے تھے حضرت
 تاج قریشی تخت اللفظ میں کلام سناتے تھے اس دور کے اساتذہ سخن
 میں علامہ نجم آفندی، حضرت قدر عریضی، مولانا کامل، تاج قریشی
 اور سیف حموی کے رکھ رکھاؤ پر بھی نظر کرنا تھا ہر استاد شاعر کا انداز بھی
 ایک دوسرے سے مختلف تھا لیکن جہاں تک آداب گفتگو، آداب محفل
 کی بات ہے تمام اساتذہ تہذیبی اقدار کے ملکی ترجمان بنے رہتے تھے۔
 ان بزرگوں کی محفلوں میں شرکت کرنے والے بعض شاعر آج بھی
 اپنی اپنی محفلوں میں آداب محفل کا خیال رکھتے ہوئے قدیم تہذیبی
 اعلیٰ روایات کے تحفظ و ترویج کے لیے سرگرم عمل رہا کرتے ہیں۔ ساجد
 رضوی صرف پیرانے شہر کے ہی مشہور شاعر نہیں تھے انہوں نے شہر کے
 بیسیوں شاعرے پر مشتمل ہیں کئی کل ہند شاعرے بھی بیڑھے ہیں انجن
 ترقی اردو اور ادارۃ ادبیات اردو کے مشاعروں میں خصوصیت کے ساتھ مدعو
 کیے جاتے تھے ساجد رضوی جتنے بیڑے شہر کی شعری و ادبی ماحول میں مقبول تھے
 ان میں سے شہر کے شعری و ادبی ماحول میں پسندیدہ نظروں سے دیکھے جانے
 والے تھے ان میں ساجد رضوی کا اور میر اساتذہ رہا ہے اس زمانے میں
 ساجد رضوی کی ایک غزل عکس ایک شباب آتھ ہے اک شباب جان ہے

کافی مشہور تھی۔ مشاعروں میں اس غزل کی فرمائش کی جاتی تھی ساجد رضوی کو علم عروض پر ہارت حاصل تھی علامہ نجم آفندی سے تمام شعری رموز سے واقفیت حاصل کرتی تھی۔ اُس زمانے میں وہ علامہ ناصر زید پوری کے قریب تھے ساجد رضوی اپنی عمر کے آخری دنوں میں شاید ہم، ۵ سارنگ معظم جاہ شجاع کے دربار سے وابستہ رہے۔ ساجد رضوی خوش گلو شاعر تھے ہی لیکن خوش لباس، خوش مزاج اور خوش اخلاق اور مہذب انسان تھے میرے بہت ہی قریبی دوستوں میں سے تھے شعر و ادب کے معاملات میں ساجد رضوی کبھی بھی تشرافی شاعر نہیں بنے رہے تمام شاعروں سے ان کے اچھے خاصے روابط تھے ساجد رضوی کی شاعرانہ حیثیت سے ان کے تمام ہم عصر شعرا متاثر تھے ان کی قدر و قیمت کا اہمیت اندازہ تقاویہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں سے مطمئن تھے انہوں نے کبھی بھی اپنے دوستوں کو ناراض نہیں کیا۔ سب سے مل جل کر رہتے تھے ساجد رضوی تھیں کے آدمی تھے مشاعروں میں چاق و چوبند رہتے تھے ان کا شاعرانہ لب و لہجہ نہایت شگفتہ، شائستہ و پُر اثر بیوتا تھا یہ نہیں ان کے کونسے کونسے شاگرد ہیں۔ لیکن مجھے اس بات کا اندازہ ہے کہ وہ کچھ مخصوص شاگردوں کے استاد تھے میری شاعری کے ابتدائی دور میں حضرت عبد القیوم، ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید، رومی علی اصغر اور نیاز حیدر کا نام ایک ساتھ آتا تھا۔ ایوانِ اردو کی محفلوں میں ان شاعرات کا کلام سننے کا اتفاق ہوتا تھا۔ رومی علی اصغر کو ادبی محفلوں میں رشتہ دار

کروانے کا سہرا ساجد رضوی کے سر جاتا ہے روحی علی اصغر، عظمت عبد القیوم
 بانو طاہرہ سعبداور نازہ حیدر کی طرح نہایت شائستہ شاعرہ تھیں ادارہ
 ادبیات اردو میں ان دونوں اکثر مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ ملک کے مختلف
 حصوں سے جب مشائیر اردو حیدر آباد آتے تو ڈاکٹر زوراب افضل شعر
 آراستہ کرتے تھے اسی طرح مولوی حبیب الرحمن بھی اردو ہال میں ادبی
 محفلوں کا اہتمام کرتے تھے۔ ساجد رضوی ۱۲ جنوری ۱۹۳۰ء کو محلہ فرحت نگر
 میں ایک معزز سادات گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دارالشفاء
 ہائی اسکول میں ہوئی۔ ان کے چھ شعری مجموعے تھیں، سجدے، شمع حرم
 جلوئے، سجدۂ اخلاص اور جانِ غزل شائع ہوئے ہیں مشاعروں
 کے کامیاب شاعر کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے شائقین شعر و ادب
 پوری توجہ کے ساتھ ان کا کلام سنتے تھے۔ ساجد رضوی کے قریب ترین
 دوستوں میں میرے علاوہ ناصر کرنولی، رئیس خنز، صادق نقوی بھی تھے
 ان کے ادبی فزبی دوست ہوں گے۔ ایسا نہیں ہے کہ ساجد رضوی کے
 مراسم صرف شاعروں سے ہی تھے ساجد رضوی نے شہر کے تمام علمی و ادبی
 حلقوں سے پوری طرح واقف ہی نہیں تھے بلکہ ان کے سربراہوں سے بھی
 ان کے مراسم تھے اگر کوئی شخص مجھ سے یہ خواہش کرے کہ میں اپنے بہترین
 دوستوں کی فہرست مرتب کروں تو ساجد رضوی کا نام بھی اس منتخب
 فہرست میں شامل رہے گا۔

محی الدین جیلانی

(نمائش سوسائٹی کی فعال شخصیت ہمدرد انسان)

بعض شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو غیر محسوس طریقے سے دل و دماغ میں جاگزیں ہو جاتی ہیں اور جن کی اچھائیاں اور خوبیاں نیکیاں اور کرم قرائتیاں جسم و جاں کا ایک حصہ بن جاتی ہیں جن کی پُرکشش شخصیت مجبور کرتی ہے کہ ان کے قول و فعل اور ان کی حرکیات و فلاحی طرزِ حیات سے اپنے و الہانہ غیر مرئی رشتوں کو ذہن و فکر کے وسیع دائروں میں محفوظ رکھیں۔ خوش اخلاقی مروت پسندی، نیک نفسی اور اعلیٰ کردار کی عظمتیں اس طرح کے لوگوں کی ہر حرکت سے عیاں ہوتی جاتی ہیں اس طرح کے لوگوں سے ملنے پر اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ واقعتاً زندگی کے مختلف رنگ ہیں جو مہذب معاشرہ کی ترتیب و ترتین کے لیے زرفشاں رہا کرتے ہیں۔ انسانی رشتوں کو محسوس کرنے والے لوگ اپنی شرافت

اور اپنی خوبوں کی وجہ سے معاشرہ کے لیے ایک ایسی روشنی بن جاتے ہیں جن کے وجود سے اس پاس کا سارا ماحول جگمگانا رہتا ہے اس طرح کے اُجائے باٹنے والی شخصیتوں میں محی الدین جیلانی بھی شامل تھے جو خاص طور پر نمائش سوسائٹی کے حوالے سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے محی الدین جیلانی سے میر مراسم۔ کا تعلق شنکر جی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں کے آغاز کے زمانے سے ہی رہا۔ شنکر جی میموریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعرے گذشتہ ۲۹ برسوں سے عالیشان پیمانے پر منعقد کئے جا رہے ہیں۔ حیدر آباد میں ادبی ٹرسٹ کے کل ہند مشاعروں کے بعد شنکر جی میموریل سوسائٹی کے مشاعرے ساری اردو دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔ یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ میں شنکر جی میموریل سوسائٹی کے پہلے مشاعرہ سے تقریباً ۲۰ مشاعروں کی سرگرمیوں سے عملاً وابستہ رہا۔ (اب بھی ضرورتاً معاون رہتا ہوں)۔ جناب عابد علی خان اور محبوب حسین جگر کی نمائش سوسائٹی کی مقبول ترین شخصیت شنکر جی سے مثالی دوستی تھی۔ شنکر جی جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل تھے انہوں نے اردو سے گہری وابستگی رکھی۔ ہندو مت محی الدین صاحب اور میر حسن صاحب ان کے ہم جماعت تھے۔ شنکر جی ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں میں بہ پابندی شرکت کرتے تھے۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرے نمائش میدان میں ہوا کرتے ہیں شنکر جی کے انتقال کے بعد عابد علی خان اور جگر صاحب کی شخصی دلچسپی سے شنکر جی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں کی بنیاد

پڑی۔ ان دو محترم شخصیتوں کے ذہن میں یہ بات پہچوست ہو گئی تھی کہ دلی میں ہونے والے شنکر شاد کل ہند مشاعروں کی طرح ایک غیر مسلم محبِ اُردو کے نام سے حیدر آباد میں سالانہ کل ہند مشاعرہ کا اہتمام کیا جائے۔ شنکر جی مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں سب سے زیادہ کارکردِ شخصیت محی الدین جیلانی کی تھی۔ نمائش سوسائٹی کے دیگر اراکین سریندر ریڈی (فرزند شنکر جی) اور وینکٹ ریڈی اُن کے معاون رہنے۔ پنڈت جی (مشر صاحب) کے علاوہ دیگر ارکان کا بھی تعاون حاصل رہتا ہے۔ شنکر جی مشاعروں کے آغاز سے لے کر محبوب حسین جگر صاحب کے انتقال تک مشاعروں کی تمام تر صورت گری ”سیاست“ آفس میں ہوتی تھی۔ عابد علی خان صاحب کی زندگی تک مشاعروں کے اعلیٰ سطح کے انتظامات اور مہمان و میزبان شعراء کا انتخاب عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کیا کرتے تھے جن میں میر امتیاز بھی شامل رہتا۔ شنکر جی مشاعروں کی متعلقہ فائیل میرے پاس رہتی تھی جگر صاحب کی نگرانی میں مشاعروں سے مراسلت کی جاتی اور مدعوین کی فہرستیں تیار کرنا۔ مشاعروں کے اشتہارات وغیرہ کی ابتدائی صورت گری میرے ذمہ رہتی تھی۔ تمام امور کو عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب قطعیت دیتے تھے۔ لیکن محی الدین جیلانی کو باخبر رکھتے ہوئے شنکر جی مشاعروں کی وساطت سے محی الدین جیلانی سے میرے مراسم کا آغاز ہوا۔ مشاعروں کے

ابتدائی زمانے میں بلکہ ۲ برس تک یہاں شعراء کی آمد و رفت کے سلسلے میں
 میں جیلانی صاحب، سرنیدر صاحب و ٹیکٹ ریڈی اور کبھی کبھی نینڈت جی اور
 خواجہ معین الدین بھی ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ مشاعروں کی تیاریاں
 مشاعرہ سے ایک ماہ قبل شروع ہو جاتیں۔ ان مشاعروں میں شعراء
 کا انتخاب اہم مسئلہ رہتا تھا۔ یہ سارے کام ”سیاست“ آفس میں
 انجام پاتے راسخ جناب عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب
 کی نگرانی میں۔ محی الدین جیلانی اور ان کے ساتھیوں نے سارا کام
 جگر صاحب پر چھوڑ دیا تھا۔ جگر صاحب اور عابد علی خان صاحب شعراء
 کے انتخاب میں غیر معمولی دلچسپی لیتے۔ ان دونوں شخصیتوں کی دلچسپی
 کی وجہ شکر جی مشاعرہ عالمی مشاعروں کی فہرست میں شامل ہو گیا۔
 محی الدین جیلانی نہایت متحرک اور کارکردہ شخصیت کی حیثیت سے
 نمائش سوسائٹی کے ارکان میں مشہور و مقبول تھے۔ انہیں اس بات
 کا شدت سے احساس تھا کہ شکر جی مشاعروں کے سلسلے میں مبری
 بے لوث خدمات اہم رہی ہیں۔ جیلانی صاحب ضرورت مندوں کی
 مدد کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ نمائش سوسائٹی کے
 زیر انتظام چلنے والے تعلیمی اداروں میں ان کا بڑا اثر تھا وہ ایک
 بااثر شخصیت کی طرح سرگرم عمل رہتے تھے۔ جیلانی صاحب شکر جی
 میموریل مشاعروں کے کنوینیر با کرتے تھے۔ یہاں شاعروں اور
 میزبان شعراء کو مدعو کرنے کے سلسلے میں ضروری امور پرچہ سے مشورہ

کرتے تھے۔ صنعتی نمائش کے دوران ہونے والے مشاعرہ کی ذمہ داری مجھے
 سونپ دی جاتی تھی۔ شاعر کا انتخاب میرا ہی رہتا ہے لیکن متعلقہ ارکان
 سوسائٹی کی منظوری کے بعد شعراء کی فہرست کو قطعیت دی جاتی ہے جب
 تک ہاشم سجد (سیئر رب ایڈیٹر سیاست) بقید حیات تھے وہ نمائش
 کلب کے مشاعرہ کے انعقاد میں شخصی دلچسپی لیتے رہے۔ مشاعرہ کا کنوینر
 میں ہی رہتا۔ ویسے زائد از ۲۵ برسوں سے مشاعرہ کی معتمدی کے فرائض
 میں ہی انجام دے رہا ہوں۔ جیلانی صاحب نمائش سوسائٹی کے بیشتر
 اُردو پروگراموں کو قطعیت دینے میں کلیدی رول ادا کرتے تھے۔ نمائش
 کے دوران غزلوں کے جتنے بھی پروگرامس ہوتے ہیں جیلانی صاحب
 کی صلاحیتوں اور ان کی مشاورت سے استفادہ کیا جاتا تھا جیلانی
 صاحب فوڈ کارپوریشن آف انڈیا میں عہدہ دار رہ چکے تھے۔
 نمائش سوسائٹی سے ان کی وابستگی کی وجہ سے اُردو پروگرامس بغیر کسی
 رکاوٹ کے جاری رہے۔ جیلانی صاحب کے دو سنوں کا ایک وسیع
 حلقہ ہے بلا تخصیص مذہب و ملت وہ سب کے ساتھ کشادہ دلی اور
 کھلے ذہن کے ساتھ ملا کرتے تھے۔ میں انہیں زائد از ۲۵ برسوں سے
 جانتا ہوں وہ نمائش سوسائٹی کے لیے ایک اہم اثاثہ تھے جیلانی صاحب
 اپنی سخت علمائیت کے زمانے میں بھی نمائش سوسائٹی کی تعلیمی و تہذیبی
 سرگرمیوں سے کنارہ کش نہیں ہوئے۔ جب کبھی ان سے مجھے کوئی کام
 ہوتا تھا تو نہایت خوش دلی اور دلچسپی کے ساتھ تعاون کرتے تھے

سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے میوزیکل پروگرامس نمائش کے دوران
 کئی برسوں سے ہو رہے ہیں۔ میں سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن کا
 بانی جنرل سکرٹری رہا ہوں۔ نہ صرف جیلانی صاحب بلکہ نمائش سوسائٹی
 کے دیگر متعلقہ اصحاب بھی مجھ سے تعاون کیا کرتے تھے۔ اگرچہ کہ میں
 نمائش سوسائٹی کا رکن نہیں ہوں لیکن جتنے ارکان موجود ہیں
 سب کا سلوک میرے ساتھ دوستانہ رہتا ہے۔۔۔ جیلانی صاحب ایک
 خوش مزاج، بااخلاق اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ ان کا وجود
 نمائش سوسائٹی کے لیے نہایت اہم تھا نہایت یا اثر شخصیت کے حامل
 تھے۔ تمام ارکان نمائش سوسائٹی جیلانی صاحب کی عزت کرتے تھے، اور ان
 کے ہر مشورہ کی پزیرائی کی جاتی تھی۔

جیلانی صاحب، نثر شاعر تھے اور نہ ادیب لیکن انہیں اردو
 زبان و ادب بلکہ اردو تہذیب سے بھی بے حد دلچسپی تھی۔ ان کی سرشت
 میں حیدر آبادیت کو لے کر گولہ کر بھری ہوئی تھی۔ نمائش سوسائٹی کی اعلیٰ
 روایت کی برقراری کے لیے جتنی الامکان کوشش کرتے تھے۔ ان کی شخصی
 دلچسپی نے نمائش سوسائٹی کے وقار کو بیکند کیا۔ جناب عابد علی خان
 صاحب اور جگر صاحب، جیلانی صاحب کو بہت چاہتے تھے جیلانی صاحب
 بھی ان دونوں محترم شخصیتوں کا بے حد احترام کرتے تھے ہر شخص
 کی ذاتی تشریف آفری ہمیشہ کام آتی ہے اور وہ معاشرہ میں نیک نامی کے ساتھ
 اپنے شب و روز گزارنے کے لیے جیلانی صاحب کو بھی میں اس زمرہ میں شامل کرتا ہوں جو
 ہر وقت معاشرہ میں نیک نامی کے ساتھ بادیہ چلتے ہیں۔

غوث محمد

(نامور خوش خویش اور خوش طبع انسان)

”دیر آید درست آید“ عموماً اُس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کام عجلت پسندی سے دامن کشاں رہتے ہوئے تاخیر سے سہی بہترین انداز میں تکمیل پا جاتا ہے عام طور پر کاتبین حضرات کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ بہر وقت کام نہیں کرتے۔ نسابلی کا شکار رہتے ہیں اہل غرض شاعروں، ادیبوں کے صبر کا امتحان لینے رہتے ہیں ظلم کاروں کو کئی بار اُن کے در پہ دستک دینی پڑتی ہے کبھی اُن کے گھر کا دروازہ کھلا رہتا ہے تو کبھی بند۔ سبھی پہلی ہی آواز پر باہر آ جاتے ہیں اور کبھی بار بار آواز دینے کے بعد رونق افروز ہوتے ہیں اور کبھی گھر میں رہ کر بھی پہلواتے ہیں کہ گھر پر نہیں ہیں۔ مگر یہ بات تمام کاتبین پر لاگو نہیں ہو سکتی۔ ویسے ہی اچھے فنکاروں کی خدمت سے استفادہ کرنا مقصود ہو تو ان کی رفتار کا ساتھ دینا ہی پڑتا ہے غوث محمد کا شمار پرانے شہر کے نمائندہ کاتبوں میں ہوتا تھا جن کے بارے میں میر کا ہمیشہ اچھی رائے رہی۔ میں نے غوث محمد

سے اپنے بعض صنفی مجموعے بھی لکھوائے ہیں اور منقر منتخب بھی۔ انہوں نے ہمیشہ مجھ سے تعاون کیا۔ غوث محمد صاحب نے پہلی دفعہ میرے دوسرے مجموعہ کلام ”رُخموں کے گلاب“ کی کتابت کی اور نہایت عمدہ اپنے فن کا مظاہر کیا بہت خوب صورت لکھا جس طرح میں چاہتا تھا ویسا ہی لکھا یہ کیسا رشتہ ہے ”پھر سفر جاری ہے“ لکھوایا انہوں نے میری اور کتابوں صنم حراش، شکن در شکن رشتوں کی ہلک، خوشبو کا سفر کی بھی کتابت کی۔ نوری کتابوں میں عظمت عبد القیوم فن اور شخصیت اور عظمت خیابان (عظمت عبد القیوم) کی بھی کتابت کی۔ مجھے غوث محمد صاحب نے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ وہ دفت کی یا بندی نہ کرتے ہوئے صرف مسکرا کر دے گئے پہلی غوث محمد صاحب کا مکان تالاب کٹہ (امان انڈ خان شگر) میں واقع ہے میں اکثر دفعہ اُن کے ہاں اتوار کے دن ہی جایا کرتا تھا جیسے ہی میں آواز دیتا وہ باہر آتے اور اپنی مخصوص مخلصانہ مسکراہٹ کے ساتھ ملاقات کرتے اور اپنے دلوان خانہ میں لے جاکر بیٹھتے۔ فی الفور چائے کے لیے آواز دیتے۔ ان کا کوئی ایک بیٹا چائے لے کر آتا۔ کبھی کبھی وہ مجھے سگریٹ بھی پلاتے تھے حالانکہ میں سگریٹ کا عادی نہیں ہوں۔ تفریحاً کبھی کبھی بیٹا ہوتا ہوں وہ بھی دوسروں سے مانگ کر۔ غوث محمد صاحب کتابت شدہ صفحات عوالے کرنے اور کتابت کے آخری مراحل میں ۲، ۳ گھنٹوں تک بیٹھ کر تکمیل دے ام پائے تکمیل کو پہنچاتے تھے۔ کبھی بھی غوث محمد صاحب نے نہالی سے کام نہیں لیا۔ میں بھارہا کہ وہ نہالی سے کام لے رہے ہیں لیکن ایسا نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ

اتنا اہم کام انہیں مل جاتا کہ وہ اُس موقتی اہم کام کو اہمیت دیتے۔ ایسا اذکار
 ان کا صحیح رہتا۔ جب وہ تفصیل بتلاتے تو میری موقتی خفگی کا فوراً ہوا
 جاتی۔ غوث محمد صاحب کی ساری کتابت ایمانداری اور فرض شناسی کا
 اعلیٰ نمونہ رہتی تھی۔ کبھی بھی انہوں نے عجلت میں کام نہیں کیا۔ وہ وقت
 ضرور لیتے لیکن عمدہ اور نفیس کام کرتے تھے۔ جہاں تک مجھے خیال آتا
 ہے اُن سے میری پہلی ملاقات اُس وقت ہوئی جب وہ رہنمائے دکن
 سے واپس تھے۔ پھر وہ سیاست میں کام کرنے لگے اور انہوں نے سیاست
 کے بعد اپنے گھر پر ہی کتابوں کی کتابت کا کام جاری رکھا۔ بیسیوں کتابیں
 لکھیں اور اپنے فن کا بہترین مظاہرہ کیا۔ غوث محمد صاحب حیدرآباد کے
 صف اول کے خوشنویسوں میں سے ایک تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۲ برس پہلے
 ان کی خوشنویسی کے شاہکاروں کا اردو گھر میں زیر اہتمام ادارہ سیاست
 نمائش کا اہتمام کیا گیا تھا۔ غوث صاحب کو میں نے سائیکل چلاتے ہوئے
 کبھی نہیں دیکھا۔ غوث محمد صاحب ۱۹۳۷ء میں سابق ریاست حیدرآباد
 کے ضلع عثمان آباد میں پیدا ہوئے۔ خوشنویسی کا ذوق انہیں ورثے میں
 ملا۔ ان کے والد جلیل خیر اللہ صاحب خطاطی کے فن میں ہمارے رکھتے تھے
 غوث محمد صاحب نے اس فن کے رموز و نکات اپنے والد سے سیکھے ۱۹۵۳ء
 سے کتابت کے پیشے سے وابستہ ہوئے۔ غوث محمد صاحب کے سات بیٹے ہیں
 فضل محمد خان، افضل محمد خان، فیصل محمد خان، اجمل محمد خان، عرفان محمد خان
 سہیل محمد خان اور اقبال محمد خان۔ غوث محمد کے دوسرے بیٹے افضل محمد خان

بہترین کاتب ہیں جو اخبار سیاست سے بھی وابستہ رہے۔ ادھر کچھ عرصہ سے
 جمال مارکٹ (چھتر بازار) میں پراسررز، شاوی کے دھوکے ناموں کی کتابت کرتے
 ہیں اور وہ اپنے ذاتی کاروبار سے مطمئن ہیں غوث محمد کو شعر و ادب سے بے حد
 لگاؤ تھا اکثر ادبی جلسوں میں شرکت کرتے تھے مشاعروں میں موجود رہتے تھے
 غوث محمد صاحب نے میری کتابوں کے علاوہ حیدر آباد کے کئی مشاعروں ادیبوں
 کی کتابوں کی کتابت کی۔ میں اپنے بعض دوستوں کی کتابوں کی کتابت کے
 لیے انہیں زحمت دیتا رہا۔ غوث محمد بے حد مخلص، بے حد شریف اور
 بے حد پاک و صاف آدمی تھے کتابت کی اجرت کے سلسلے میں ان کا بہت
 شفاف ریکارڈ رہا ہے کبھی بھی انہوں نے کسی سے بھی زائد اجرت نہیں لی
 کبھی اجرت طے کرنے میں زیادتی نہیں کی۔ معقولیت پسند انسان تھے معاوضہ
 کا تعین نہایت واجبی کرتے تھے خاص طور پر مشاعروں، ادیبوں سے ان کا
 حسن سلوک مثالی رہا۔ غوث محمد صاحب کبھی روپیہ پیسے کے نیچے دوڑتے
 ہوئے دکھائے نہیں دیے۔ وہ کچھ اس قدر اعلیٰ ظرف شریف انسان تھے
 کہ قلم کار ان کے گرویدہ رہتے۔ وہ کسی کو بھی مایوس نہیں کرتے
 تھے جب منشاء کام انجام دیتے تھے صاحب سے میں نے جتنی بھی کتابیں
 لکھوائیں انہوں نے کتابت کی پیشگی اجرت کا مطالبہ نہیں کیا۔ ضرورت مند
 رہنے کے باوجود وہ صبر و استقلال سے کام لیتے تھے حیدر آباد کے تمام ادبی
 حلقوں کے قلم کاروں سے ان کے تمام احباب ان سے خوش دلی کے
 ساتھ ملنے تھے غوث محمد صاحب مسکراہٹ سے تبادر کرتے ہوئے کسی

خاص بات پر قہقہہ بھی لگاتے تھے دوستوں اور جان بہچان والوں سے کھل کر ملتے تھے سب کے سب ان کے دوست تھے کوئی بھی ان سے ملنے والا نرد نازگ محسوس کرتا تھا نرئی اردو پورڈ کے تھاون سے جلیل پاشاہ صاحب صدر کل ہند تعابج کمیٹی کی زیر نگرانی قائم کردہ مرکز خوشنویسی، ٹامپلی میں صدر مدرس کی حیثیت سے کام کر چکے ہیں ادارہ ادبیات اردو کے مرکز خوشنویسی کے بھی صدر مدرس تھے غوث محمد صاحب نے محکمہ اطلاعات میں بحیثیت کاتب کام کیا سیاست اخبار کے مختلف کالمس کی شہ سرخیاں (عنوانات) تحریر کیا کرتے تھے تقریباً ہر مئے سال ان کی خدمات سیاست کو حاصل رہیں۔ کاتبیت کے کئی شاہکار ان کی یادگار ہیں غوث صاحب نے بے شمار مذہبی کتا ہیں لکھی ہیں شہر کے تقریباً تمام شاعروں، ادیبوں کے علاوہ علماء و مشائخین سے بھی ان کے مراسم تھے وہ ایک اعلیٰ درجہ کے فن کار اور نقیب انسان تھے مہذب معاشرہ کی نامور شخصیتوں میں شمار کیے جاتے تھے طبعیت میں بے حد انکساری فی میری ان سے بیسیوں ملاقاتیں رہیں کئی ادبی جلسوں اور مشاعروں میں ہم ملتے رہے غوث صاحب سب کے ساتھ کھلے ذہن سے ملتے تھے انہیں میں نے کسی وقت بھی کسی دوست سے خفا ہوتے ہوئے یا کسی شاعر و ادیب کی شکایت کرنے ہوئے نہیں دیکھا نہایت نیک صفت انسان تھے دوسروں کو بھی اچھی نظروں سے دیکھتے تھے میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ ان کے گھر کا حوالہ مسقرقی تہذیب کا آئینہ دار ہے تمام انرا و خاندان شائستگی کا مظہر ہیں یہ دراصل غوث محمد صاحب کی نثر و سبیت کا فرشتہ ہے کہ ان کے گھر کے سب

بزرگ آداب زندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتا رہا
 ہیں غوث محمد صاحب اگرچہ نہایت سنجیدہ انسان تھے ان کے مزاج میں
 سنجیدگی کے ساتھ ساتھ مزاح کا بھی دخل رہا کرتا تھا طنز اہولہ نہ کسی
 پر کیا نہ ہی کسی دوست کو اپنے مزاح کا شکار بنایا۔ مزاحیہ جملوں اور
 لطائف سے محظوظ ہوتے تھے یار یاش انسان تھے تمام شاعر و ادیب ان
 سے خلوص رکھتے تھے غوث صاحب نے بھی ہمیشہ خلوص کا مظاہرہ کیا۔ تصنیح
 ان کے مزاج کا کبھی حصہ نہ بن سکا۔ وہ جتنے تھے اتنے ہی پیش پیش ہوتے
 رہے۔ اعلیٰ درجہ کے فن کار ہونے کے باوجود غرور و تکبر، خود سنائی سے
 کوسوں دور رہے۔ اپنے شاگردوں کی دوسنانہ ماحول میں ترسیت کرتے
 تھے غوث محمد صاحب کا ادارہ سیاست سے گہرا رشتہ تھا وہ عابد علی خان صاحب
 اور محبوب حسین جگر صاحب کی سرپرستی کا کفیلے دل سے اعتراف کرتے تھے چونکہ
 آدمی خاندانی تھے اس لیے اپنے محنتوں کے احسان کو یاد رکھتے تھے محنت و محنت
 کے بعد غوث صاحب کا ۵ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو انتقال ہوا۔ غوث محمد صاحب سے
 مجھے بلی لگاؤ تھا ان کے انتقال کی خبر سے مجھے بے حد صدمہ ہوا تھا سچ ہے
 رہے نام اللہ کا۔ اچھے لوگ مرکز بھی زندہ رہتے ہیں اپنے بے مثال رشت
 کارناموں، اپنی بے مثال دوستی اور بے مثال شرافت کی وجہ سے غوث محمد
 صاحب ہرگز ایسے نہیں جیتیں بھلا یا جاسکے۔ غوث صاحب جب تک زندہ
 رہے میرے دل میں رہے اب نہیں ہیں مگر ان کی یادیں ان کے ہونے کا
 احساس دلاتی رہتی ہیں۔

یوگس جید آبادی

(بامروت شخص طنز و مزاح کے متفرد شاعر)

حیدر آباد میں جہاں سنجیدہ شاعروں نے اپنی شاعرانہ عظمتوں کا احساس دلایا ہے وہیں طنز و مزاحیہ شاعروں نے بھی کچھ اس طرح کی مزاحیہ طنز پر شاعری کی ہے کہ انہیں شعری و ادبی حلقے بھی بھول نہیں سکتے اور جن کا نام سنجیدہ شاعروں کی طرح دستاویزی حیثیت رکھتا ہے ہمارے شہر کے طنزیہ و مزاحیہ شاعروں میں جہاں ندیر دہقانی، علی صاحب میاں سلیمان خٹیب، سرور ڈنڈا اور افضلہ کے شاعروں میں مسافر ننگنڈو، بکلی ننگنڈو جیسے اہم شاعروں کی شاعرانہ عظمت کو خراج پیش کیا جاتا ہے وہیں ہم یوگس جید آبادی کو نہیں بھلا سکتے۔ ہر مزاحیہ شاعر کا ایک علیحدہ انداز رہا ہے جو لوگ ان مزاحیہ و طنزیہ شاعروں کی شاعری سے واقف ہیں وہیں وہ یقیناً ہر شاعر کے بارے میں اپنی ایک علیحدہ رائے رکھتے ہوں گے اس لیے کہ ہر شاعر کا لب و لہجہ دوسرے شاعر سے الگ رہتا ہے۔

بوگس حیدر آبادی اپنے دور کے شاعروں میں اپنی پوری پہچان کے ساتھ اپنے
 فن کا احساس دلاتے رہے۔ میں نے بوگس حیدر آبادی کو بے شمار شاعروں میں
 کام سناتے ہوئے دیکھا ہے اور وہ ایک کامیاب شاعر کی حیثیت سے بے حد
 مقبول رہے۔ بوگس حیدر آبادی کا اسلوب شاعری ان کی بعض مخصوص
 غزلوں کی وجہ سے زیادہ پسند کیا جاتا رہا۔ بوگس حیدر آبادی کی اکثر غزلیں
 مرزا غالب کی زمین میں بلبں گی۔ بوگس حیدر آبادی مرزا غالب کے منتخب
 مصرعوں پر گزرا لگایا کرتے تھے ایک مصرعہ غالب کا ہونا ایک بوگس کا۔
 جیسے دارٹھی رکھ کر بھی عاشقی بوگس پڑھ کر غم کو مگر نہیں آتی،
 بوگس نے ہمیشہ غالب کے مصرعہ ثانی پر گزرا لگائی۔ غالب کے سنجیدہ مصرعے پر
 بوگس کا مزاحیہ مصرع بہت نطفہ دیتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ
 بوگس اپنا مصرع تحت میں پڑھتے تھے اور غالب کا ترنم میں۔ بوگس کا ترنم
 شاعرانہ تھا جو دل پذیر و پُر اثر بھی تھا۔ بوگس حیدر آبادی سے میرے شاعرانہ
 مراسم تقریباً ۳۰ برس پہلے ہوئے تھے۔ حیدر آباد کے مشاعرے ہوں کہ اضلاع کے
 مشاعرے یا کل ہند مشاعرے ہوں ہم نے ساتھ ساتھ شاعروں میں کلام سنایا
 ہے شاعروں کی کامیابی کے لیے منتظمین مشاعرہ بوگس کو مدعو کرنے کے لیے مجبور
 تھے حالانکہ سنجیدہ شاعروں میں مزاحیہ شاعروں کو مدعو کیے جانے سے گریز
 کیا جاتا ہے لیکن بوگس اس طریقہ کار سے مستثنیٰ رہے۔ بوگس حیدر آبادی
 میرے قریبی دوست تھے اگرچہ وہ عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے لیکن ہمارے
 مراسم بے تکلفانہ تھے۔ بوگس حیدر آبادی کو بہت سے لطیف یاد تھے اکثر دفعہ

مشاعروں کے سلسلے میں سفر کے دوران وہ اپنے لطیفوں سے محفوظ کیا کرتے تھے۔
 بوگس حیدر آبادی کا پیشہ درس و تدریس رہا۔ جامعہ عثمانیہ سے ایم اے اردو میں کیا
 اردو آرٹس کالج (اردو ہال) سے بی اے کیا تھا جن کے ہم جماعت بزم عثمانیہ جہ
 کے بانی و فعال شخصیت عارف قریشی ہیں۔ بوگس اپنے دور کے مختلف
 مشاعروں میں میرزا بان کی حیثیت سے بھی منتظمین مشاعرہ کے ساتھ تعاون
 کیا کرتے تھے انہیں کلچرل پیرونگرام اور تہذیبی پیرونگراموں میں دلچسپی رہا۔
 بوگس، حیدر آباد میں عارف قریشی کے زیر اہتمام منعقدہ کلچرل
 پیرونگرامس میں ان کے رفیق کار اور دست راست تھے عارف قریشی اپنے
 کالج کے دوستوں میں بوگس سے بہت زیادہ قریب رہے۔ بوگس سے میرے
 مراسم بھی گہرے تھے بوگس علیحدہ طور پر منعقدہ مزاحیہ مشاعروں کے علاوہ
 سنجیدہ مشاعروں میں بھی مددگار ہا کرتے تھے۔ علامہ حیرت بدایونی کے
 شاگرد تھے بوگس زندہ دلان حیدر آباد کے ایک اہم رکن تھے زندہ دلان
 حیدر آباد کے بعض کل ہند مشاعروں کے معتمد بھی رہ چکے ہیں۔ وہ زندہ دلان
 حیدر آباد کے قیام کے زمانے سے اس سے وابستہ رہے۔ بوگس اور میر اساتفہ
 اضلاع حیدر آباد کن کے مشاعروں میں بھی رہا ہے جیسے پرمیٹی، نانڈ پیر،
 گلبرگ، اورنگ آباد وغیرہ کے یادگار مشاعرے۔ نہایت منکسر المزاج
 بہترین دوست، ہمدرد، مروت، نیک انسان تھے۔ ڈاکٹر جیٹی شاہ
 اردو آرٹس کالج کے پرنسپل تھے بوگس ان کے خاص شاگردوں میں شمار کیے
 جاتے ہیں۔ اردو آرٹس کالج کی ہر تقریب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے

بوگس جب کلام سننے کے لیے کھڑے ہو جاتے تو سامعین اُن سے آدھی
 غزل سننے کی قرعائش کرتے۔ آدھی غزل اس طرح کہ ایک مصرع بوگس
 کا ہوتا اور دوسرا مصرع مرزا غالب کی غزل کا۔ شہر کے دیگر نامور
 اور باصلاحیت شاعروں کی طرح بوگس کا کلام سیاست اخبار میں چھپتا
 رہا۔ بوگس نے آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے کئی بار اپنا کلام پیش کیا۔
 بوگس حیدرآبادی کو عالمی اردو کانفرنس کے بانی علی صدیقی صاحبؒ اکثر بار
 دلی میں منعقدہ کل ہند شاعروں میں مدعو کیا۔ میں خود بھی بوگس کے
 ساتھ علی صدیقی صاحبؒ کی جانب سے منعقدہ کل ہند شاعروں میں کلام
 سنا چکا ہوں مشہور و معروف مزاجہ رسالہ شگوفہ جس کو زندہ دلاں
 حیدرآباد کا ترجمان بھی کہا جاتا ہے بوگس کا کلام خصوصیت کے ساتھ شائع
 ہوا کرتا تھا بوگس کی بیسیوں غزلیں شگوفہ میں شائع ہو چکی ہیں بوگس
 حیدرآبادی اپنے پیشہ درس و تدریس میں بھی اپنی قابلیت، دیانت، دارا
 اور احساسِ ذمہ داری کی وجہ سے مقبول رہے۔ شہر کے مختلف مدارس
 میں ان کی تعیناتی عمل میں لائی جاتی رہی۔ مدارس کے تمام ساتھیوں کے
 ساتھ اُن کے خوشگوار تعلقات رہے۔ بوگس حیدرآبادی حسنِ زمانے
 میں ایم اے کے طالب علم تھے انہوں نے فکرِ نوشوی کے فن پر مقالہ لکھا
 جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ بوگس حیدرآبادی اگرچہ ملازم سرکار
 تھے لیکن انہوں نے اردو تحریک میں کافی دلچسپی لی۔ بعض محبانِ اردو کی طرح وہ
 جھوک پڑتال میں بھی حصہ لیے۔ انہیں اردو زبان و ادب سے بے حد دلچسپی تھی

ہمیشہ دوسروں کے کام آتے رہے۔ ہر سختی شخص کی مدد کرنا اپنا اولین فرض سمجھتے تھے ایک استاد کی حیثیت سے کئی طلباء کی بہترین تربیت کی۔ ایک کامیاب استاد کی حیثیت سے حلقہ درس و تدریس میں شہرت رکھتے تھے۔

بوگس حیدر آبادی مجلس کے آدمی تھے کسی محفل میں بھی بوگس کا موجود رہنا اس محفل کو لالہ زار بنانے کے لیے کافی تھا اکثر اضلاع کے مشاعروں میں ہم ایک ہی کار میں سفر کرتے رہے ہیں ان کے بہترین اچھوتے لطیفوں سے سفر نہایت خوشگوار رہتا۔ بوگس مشہور و مقبول شاعر تھے ان میں کبھی بھی پیشہ وارانہ شعروں کا سا انداز نہیں پایا گیا۔ کبھی منتظمین متاعہ پر بار نہیں بنے۔ بلکہ میزبان محفل کی حیثیت سے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ بوگس حیدر آبادی اپنے احباب کی محفلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے ان کی طبیعت میں مزاح کے ساتھ ساتھ شوخی بھی تھی۔ سنجیدگی میں بھی اپنا آپ جوا نہیں کھتے تھے لیکن دوران گفتگو اپنے مزاح پر شاعر ہونے کا احساس دلالت دیتے۔ محبوب حسین جگر بوگس کو بہت پسند کرتے تھے ان کے منتخب اشعار شائع کرتے تھے بوگس حیدر آبادی کو ادب عالیہ سے بھی کافی دلچسپی تھی اساتذہ سخن کا کلام انہیں یاد تھا۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں میں ایک سامع کی حیثیت سے شرکت کرتے تھے اور جگر صاحب کے کہنے پر مشاعروں کا آنکھوں دیکھا حال لکھتے تھے۔ زندہ دلاں حیدر آباد کے شاعروں میں حمایت اللہ صاحب سے گہرے مراسم تھے اگرچہ دوسرے شاعروں سے بھی ریم و راہ تھا۔ زندہ دلاں حیدر آبادی اکثر مٹینگوں اور زندہ دلاں کے آفس پر منعقدہ جلسوں میں شریک رہتے تھے جہاں ان سے ملاقات ہو کرتی تھی جب

کبھی وہ سیاست اخبار کو اپنے کسی کام کے سلسلے میں آنے تو مجھ سے ضرور مل لیتے تھے نہایت ایماندار، وضع دار اور شریف النفس انسان تھے مشہور شاعر ہونے کے باوجود ان میں غرور، گھمنڈ جیسی کوئی شے موجود نہیں تھی انتہائی سلسا ر تھے دوسروں کی مدد کے لیے پیش پیش رہتے تھے زندہ دلاں حیدر آباد کے ارکان میں وہ بھی حمایت اسد صاحب سے قریب تھے زندہ دلاں حیدر آباد کے ترقی جان ماہنامہ شگوفہ کے مدیر ڈاکٹر مصطفیٰ کمال سے بھی ان کے اچھے خاصے مراسم تھے۔

زندہ دلاں حیدر آباد کی سالانہ تقاریر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے بالخصوص مشاعرے کے سلسلے میں چاق و چوبند رہتے۔ وہاں شعراء کے ساتھ اپنا زیادہ وقت گزارتے تھے انہیں ہمیز زبان مشاعرہ کی حیثیت سے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیتے تھے ہمارے شہر میں مزاحیہ شاعروں کی بھی ایک اچھی خاصی فہرست ہے لیکن یقیناً اہم مزاحیہ شاعروں کی طرح بگوں بھی میرے پسندیدہ شاعر رہے۔ جب کبھی وہ شاعروں میں شرکت کرتے تو ایک بریف کیس ان کے ساتھ رہتا بلکہ عام حالات میں بھی وہ بریف کیس اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ بگوں کے اپنے دوستانہ رویہ کی وجہ سے ہر مکتب خیال کے شعراء ان سے قریب تھے کل ہند صنعتی نمائش کے موقع پر نمائش کلب میں مزاحیہ شاعر کے انعقاد کے سلسلے میں شخصی دلچسپی لیتے تھے بگوں فائن آرٹس اکیڈمی کے بھی رکن تھے شہر کی بعض ادبی و تہذیبی انجمنوں سے ان کی وابستگی تھی۔ شہر کے سنجیدہ شاعروں میں سجاد ہیدر خیرات ندیم، ناصر کرنولی، رئیس اختر اور اقم الحروف سے کچھ زیادہ ہی گہرے مراسم تھے جب تک حیدر آباد میں مزاحیہ شاعروں کا سلسلہ جاری رہا ہے گا بگوں حیدر آباد

بھی یاد رکھے جائیں گے۔ یوگس جیدر بہادی سے مجھے والہانہ دوستی تھی۔
 بانی محفل خواتین و شاداں کلج ممتاز شاعرہ عظمت عبدالقیوم سے ان کی
 رشتہ داری تھی۔ عظمت عبدالقیوم کی گھریلو تقاریب میں بھی ان سے ملانا
 ہو جایا کرتی تھی۔ بعض شاعر دوست کچھ اس طرح میرے دل و دماغ پر
 چھائے ہوئے ہیں کہ ان کی یاد سے میں غافل نہیں رہتا۔ یوگس جیدر بہادی کا
 بھی میرے اُن شاعر دوستوں میں سے ایک ہیں جن کی شخصیت کی خوشبو
 ان کی شاعری کی طرح میرے ذہن کو ہلکا رہی ہے۔

اکمل حیدر آبادی

(خوش گو۔ خوش گلو اور خوش مزاج شاعر)

فہم پر کافی بارڈالتے پر بھی یاد نہیں آ رہا ہے کہ اکمل حیدر آبادی سے پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی، لیکن اتنا یاد ہے کہ میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں نئے شہر کے نوجوان شاعروں میں صرف اور صرف ایک ہی ایسا شاعر تھا جو مشاعروں اور تہذیبی پروگراموں کے انعقاد میں دلچسپی لیتا ہوا دکھائی دیتا تھا مجھے صرف دو ملاقاتیں یاد آرہی ہیں ایک تو خود اکمل کے گھر کی ملاقات جبکہ اُن دنوں ٹیکس بدایونی، حسرت جتے پوری، خاربارہ بکوی، قبا افغانی وغیرہ حیدر آباد آئے ہوئے تھے اور جمنا قیام اکمل کے گھر واقع ریڈ ہلز پر تھا ٹیکس بدایونی جب بھی حیدر آباد آتے اکمل ہی کے مکان میں ٹہرنے لگتے تھے دوسری ملاقات ایک کل ہند مشاعرہ کے سلسلے میں ہوئی تھی جو بہم برس پہلے (۱۹۶۰ء) نائٹس کلب کے آفس کے سامنے کے میدان میں منعقد ہوا تھا اس مشاعرہ میں ٹیکس بدایونی، خاربارہ بکوی،

صبا افغانی اور خراج پوری نے شرکت کی تھی نیز بان شاعروں میں شاہد صدیقی کے علاوہ مشہور اور
 مقبول شعراء نے کلام سنایا تھا جو نیز شاعر کی حیثیت میں نے بھی اس مشاعرہ میں غزل پڑھ
 دو بڑے حیدر آبادی پر اکل سے میری ملاقات دفتر سنیائیں ہوئی۔ میں نے جب شعرواد
 ی محفلوں میں شرکت کیلئے خواہش کی تو اکل نے جواب دیا پیارے اول طعام بعدہ کلام۔
 جواب محفل تھا میں کچھ دن خاموش رہا۔ لیکن انہیں زیادہ دنوں تک اپنی محفلوں کے دور
 نہیں دکھ سکا۔ اکل نے کہا تھا کہ ذرا اچھی طرح جم جانے دو مشاعروں میں شرکت کے لیے عمر پوری
 ہے محفلوں میں آنند ہوں گا۔ زندگی سے لڑ رہا ہوں، حالانکہ سے مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے
 لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری ہے کچھ ہی دنوں بعد پہلے دوستوں کی محفلوں میں دوبارہ
 آتا رہوں گا۔ اکل حیدر آبادی اور ان کے ہم خیال چند اہل قلم نوجوان دوستوں نے
 ۳۵ سال قبل میگ پوسٹس اسوسی ایشن کے نام سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی تھی میں بھی
 اس اسوسی ایشن سے وابستہ تھا اُس زمانے میں کہنے والے نوجوان کا ایک بہت
 بڑا گروپ تھا لیکن نظریاتی اختلافات کی وجہ سے قلم کار دو گروپ میں بٹ گئے
 اور آج بھی وہ گروپ میں بٹے ہوئے ہیں لیکن ہر دو گروپ کے شاعر و ادیب
 اپنی اپنی سطح پر ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں اکل کی یہ خوبی ہے کہ وہ
 دونوں گروپس سے اپنے تعلقات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اکل کا ایک
 غیر معمولی کارنامہ ان کی ایک ضخیم تحقیقی کتاب "فنِ نوالی" امیر خسرو سے شیکر
 بانو جمیل پائی تک ہے یہ کتاب ایک دستاویز حیثیت رکھتی ہے چھ سو صفحات
 پر مشتمل یہ کتاب اس مخصوص موضوع پر ایک اہم کتاب ہے اس کتاب کی سرچشمت
 ترمین اور اس کے خدو خال کو سنانے میں اکل نے کئی برس گزارے۔ (پھر وہی پرچہ)

مسحاح

(نامور مزاح نگار۔۔۔ بشریف انسان)

اگر دنیا میں ایسے ویسے لوگ نہ ہوں تو شرفاء کی پہچان بہت مشکل ہو جائے گی معاشرہ میں اچھے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ دنیا شہر اور جنگل کے امتیاز سے بے نیاز ہو جائے گی جہاں کہیں اندھیرا ہوتا ہے وہاں اُجالا بھی ہوتا ہے صبح کے ساتھ شام، نیکی کے ساتھ بدی، اچھوں کے ساتھ برے لوگوں کا وجود بھی ضروری ہے ورنہ یہ دنیا بے معنی ہو کر رہ جائے گی اور کسی قسم کی تعلیم باقی نہیں رہے گی۔ معاشرہ کے وہ لوگ جو شرفاء کی صفوں میں شامل رہتے ہیں وہ اپنی اچھائیوں اور اپنی نیکیوں کی بدولت الگ یہ بھلنے جاتے ہیں۔ لوگوں کی عادتیں اور ان کے اظہار بھی الگ الگ نوعیت کے ہوتے ہیں ہر شخص اپنے انداز سے جینا چاہتا ہے اور یہ ضروری بھی ہے کہ اپنے رستے کا ٹھکانہ تعین کیا جائے کسی راستے سے گزرتے ہوئے کس انداز سے اپنا سفر جاری رکھا جانا چاہیے یہ بات وہ لوگ ضرور جانتے ہیں جو معاشرہ میں

اپنی ایک نفر دشناخت کے ساتھ رواں دواں رہنا چاہتے ہیں۔ عقلِ سلیم
 بھی پروردگارِ عالم کا ایک بہت ہی بڑا عطیہ ہے اگر عقلِ سلیم کو کام میں
 نہ لایا جائے تو انسان مختلف قسم کی مشکلات میں گھر جاتا ہے اور سیدھے
 آئینہ پھلنا اس کے لیے آسان نہیں رہتا۔ مختلف شعبہ جات میں مختلف
 صلاحیتوں کی آئینہ دار شخصیتیں موجود رہتی ہیں۔ ہر شخص اپنے ذوق اپنے اپنے
 رجحان کے زیر اثر سانس لیتا رہتا ہے۔ لیکن زندگی کے سفر میں چاہے وہ مختصر
 ہو کہ طویل، حالات سازگار ہوں تو وہ اپنی نشوونما اور اپنی ارتقائی
 منازل کے لیے سست کام نہیں رہ سکتا۔ صلاحیتوں کے اظہار کے لیے اچھے
 مواقع مسیر ہوں تو کوئی مسئلہ رکاوٹ کا باعث نہیں بنتا۔ وسائل کی
 کمی کی وجہ سے بھی بہت سے لوگ اپنے مستقبل کو اس قدر روشن نہیں
 بنا سکتے جس قدر وہ چاہتے ہیں۔ قلم کاروں کی دنیا میں بھی منتہی رنگ
 کے پھول کھلتے رہتے ہیں رنگ برنگی پھولوں سے چمنستانِ قرطاس و قلم
 تزیینا رہتا ہے ایسے پھول بھی جن کی شگفتگی ہر نئے موسم کے لیے آبرو ہے
 چمن بھارتی ہے کیا حوادث کا شکار ایسے پھول نہیں ہوتے جو کھلنے سے پہلے ہی
 مرجھا جاتے ہیں۔ اگر مناسب انداز سے نثر میں گستاخاں ہو تو ہر پھول کو
 آزادی کے ساتھ کھلنے کا موقع مل جاتا ہے شاعروں اور سیوں کی دنیا اس قسم
 کے حالات سے ہمیشہ دوچار رہتی ہے لاکھ صلاحیتوں کے باوجود اگر حالات
 ساتھ نہ دیں، ان کی صلاحیتوں کی بروقت حوصلہ افزائی نہ کی جائے تو ان کی
 ترقی رک جاتی ہے اور دورانِ سفر بیچارے راستے میں وہ اپنے وجود کو کھو بیٹھتے

ہیں۔ بعض قلم کار اپنی اقتدارِ طبع کی وجہ سے بھی محدود ہو کر رہ جاتے ہیں وہ اصلی فن کار جو کھلی فضا میں سانس لینا چاہتے ہیں انہیں آلودہ فضا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نہ جاتے کتنے ایسے قلم کار دفن کارہوں کے جو اپنی صلاحیتوں کا پوری طرح اظہار نہ کر سکے۔ آندھلیوں اور طوفانوں کی زد میں رہ کر بھی لوگ زندہ رہتے ہیں۔ تیز ہواؤں میں بھی بعض چراغ جلتے رہتے ہیں لیکن کب تک۔ جب حوصلہ شکنی کا سیلاب آ بھر جاتا ہے تو راستے کو تمام پھول اور کانٹے پہرے جاتے ہیں۔

مجھے مسیح انجیل کے اعلیٰ درجہ کے طنز و مزاح نگار کے پوری طرح نہ اُچھرنے کا بے حد حلال ہے حالات نے ان کا خاطر خواہ ساتھ نہیں دیا ان کے قلم کارانہ صلاحیتوں کو ان کے ماحول نے پایہ زنجیر کر دیا۔ ادبی معاشرہ میں وہ اپنا ایک مجموعہ مقام بنا نہیں سکے جو بجا طور پر مستحق تھے۔ مسیح انجیل بھیڑ جاز کے آدمی نہیں تھے دورانِ سفر راستوں کے پیچ و خم سے واقف ہوتے ہوئے بھی ان کی نظر منزل پر کم اور اپنے قدموں پر زیادہ رہتی تھی وہ ایک راہ رو کی حیثیت سے اپنے قدموں کا بھی جائزہ لیتے تھے انہیں یہ خوف بھی رہتا تھا کہ ان کا سفر گہری عینِ راستے میں رک نہ جائے۔ مسیح انجیل کی غمخیزی اگر اپنے ماحول کے توڑ چوڑ کا شکار نہ ہوتی تو مزاحیہ ادب میں ان کا نام اور زیادہ روشن رہتا۔ اُن کی بے وقت موت نے بھی ان کی صلاحیتوں کو پوری طرح اجاگر ہونے نہیں دیا۔ بعض فن کار و قلم کار ابتدائی ادبی سفر میں ہی بہت زیادہ مشہور ہو جاتے ہیں اور بعض اپنے ادبی سفر کی درمیانی مدت میں اور بعض اپنی

عمر کے استری حصہ میں۔ مسیح انجمن اپنے ابتدائے ادبی سفر کے دوران اپنے بہترین مزاحیہ تحریروں سے خاص طور پر حیدر آباد کے ادبی حلقوں میں شہرت حاصل کرتے چلے گئے۔ مسابقت کی دوڑ میں اپنی کسرتی کی وجہ سے کچھ ہی رہے لیکن انہوں نے جو کچھ بھی ادبی سرمایہ اپنی کتابوں کی شکل میں چھوڑا ہے اُن سے بہت کچھ استفادہ کیا جاسکتا ہے اور بعد از مرگ بھی مسیح انجمن کے فنکاروں کی مزید قدر افزائی کی جانی چاہیے گی۔ ہمارے شہر میں بہت سے شاعر و ادیبوں نے اپنی بھرپور ملا جلیوں کے اظہار سے پہلے ہی آخرت کی راہ لی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب تک وہ بہ قید حیات تھے اردو معاشرہ نے اُن کے ساتھ بہت کم احترام فراموشی کا ثبوت دیا۔ مسیح انجمن اعلیٰ درجہ کے طنز و مزاح نگار تھے اُن کا نظریہ بری اس رائے کی بھرپور ترجمانی کریں گی۔ بشرطیکہ پوری دیانت داری کے ساتھ اُن کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے۔ ہمارے شہر کے اردو کے نقادوں نے پوچھیں تو ہمارے قلم کاروں پر بہت کم توجہ دی ہے بلکہ بعض قلم کاروں کے بارے میں انہوں نے کچھ بھی نہیں لکھا اور اگر لکھا بھی ہے تو بس رسمی طور پر یہ دلی کے ساتھ جس طرح ملک کے دیگر قلم کاروں کی تخلیقات پر کھل کر اظہارِ خیال کیا جاتا ہے، کھل کر تبصرہ کیا جاتا ہے اس طرح ہمارے شہر کے قلم کاروں کی تخلیقات پر کھل کر اظہارِ خیال نہیں کیا گیا۔ کچھ مشنریات ضرور ہوتی ہیں لیکن جو قلم کار زیادہ توجہ کے مستحق ہیں اُن کی تخلیقات کو نقادوں نے بہ نظرِ طائرانہ بھی نہیں پڑھا۔ شاید پیڑھیا ہی نہیں چلی ہے۔ مسیح انجمن کی طنزیہ و مزاحیہ ادب میں یقیناً اہمیت ہے ان کی تحریروں کو بڑے شوق

اسے پڑھا جاتا ہے۔ "شگوفہ" میں ان کے مضامین شائع ہونے رہتے تھے زندہ دلائل حیدر آباد کی سالانہ کانفرنس میں ان کے مضامین بعض اجلاسوں میں حاصل محفل رہے۔ مسیح انجم کے پڑھنے کا انداز بھی متاثر کن رہنا تھا۔

مدبر "شگوفہ" ڈاکٹر مصطفیٰ کمال اپنے رفیق خاص کی حیثیت سے اُن کی تحریروں کو مسلسل "شگوفہ" میں جگہ دیتے تھے۔ مسیح انجم نے سالانہ کانفرنسوں میں مضامین پڑھنے کے علاوہ شہر میں منعقدہ مزاجیہ ادبی اجلاسوں میں بھی اپنے مضامین سنا کر داد و تحسین حاصل کی۔ شہر کے مختلف کالجوں کی ادبی تقاریر کے علاوہ شہر کی مختلف ادبی انجمنوں میں اپنی مزاجیہ تحریروں سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کرتے رہے۔ نہایت نفیس، خوش اخلاق، شریف انسان تھے۔ اتنے کم گو بھی نہیں تھے کہ اُن پر مغرور ہونے کا الزام لگایا جاسے۔ غیر ضروری لب کشائی سے گریز کرتے تھے۔ گفتگو کے فن سے واقف تھے۔ اپنے خاص دوستوں میں گھل مل کر رہتے تھے۔ ہنستے بھی تھے۔ قہقہہ بھی لگاتے تھے۔ منکر المزاجی نے انہیں بہت زیادہ شریف آدمی بنادیا تھا۔ شہرت کے پیچھے انہوں نے کبھی بھی نہیں بھاگا۔ پسند بھی نہیں کیا۔ اُن کا معاملہ تو بس یہی تھا "دیا بھی تو اُس کا بھلا اور نہ دیا بھی تو اُس کا بھلا"۔ نہایت واضح دالہ مہذب شخص تھے زندگی کے آخری لمحوں تک وہ کسی کے دست نگر نہیں رہے۔ نہایت خود دار انسان تھے۔ مسیح انجم سے شگوفہ کے آفس پیر بھی اکثر ملاقات ہوتی تھی۔ مسیح انجم کا پیدائشی گاؤں ویکٹور (سداسو پیٹھ) ہے اصل نام محمد مسیح الدین ہے، ۱۶ اکتوبر ۱۳۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہی ہوئی

میرا جو علم بڑھایا اور کہا "ضرورت شائع کیجئے" میں نے ان کے ۲، ۳ مضامین
 غور و خوض کا سفر میں شائع کیئے ہیں۔ انہیں میرے ادارے بہت پسند آئے تھے
 خاص طور پر وہ ادارے جو طنزیہ ہوتے تھے۔ وہ بہت پسند کرتے تھے اور
 کہا کرتے تھے کہ وہ سچ ہی کیا جس میں ادارے شامل نہ ہو۔ مسیح انجم نہ صرف میری
 گفتگو سے محفوظ ہوتے تھے بلکہ میری شاعری بھی انہیں پسند تھی۔ مسیح انجم سے
 اکثر ادبی جلسوں میں ملاقات ہوتی تھی زندہ دلاں حیدر آباد کی میٹنگوں میں لازماً
 ملاقات رہتی۔ ایسے دوست ہرگز نہیں بھلائے جاسکتے جن کی نیکیاں او
 خوبیاں فیض رواں کی طرح معاشرہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ~~میں نے~~ دلاں
 حیدر آباد اور فائن آرٹس اکیڈمی سے وابستہ تمام حضرات سے ان کے مراسم
 تھے۔ حیات اللہ صاحب اور ڈاکٹر وہاب قیصر سے بھی انہیں زیادہ قربت
 تھی۔ مسیح انجم میری کتابوں کی رسم اجراء تقاریب میں شرکت کرتے رہے۔
 "ادارہ میرا شہر میرے لوگ" کے جلسوں میں بھی شرکت کرتے تھے ان کی شرافت کا یہ
 عالم تھا کہ انہوں نے کسی بھی شاعر یا ادیب کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ بلکہ
 فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے ہر اہل قلم کی تعریف و توصیف میں صحیح مقام پر
 صحیح لفظوں کا استعمال کرتے تھے مسیح انجم کے بیسیوں مضامین آل انڈیا ریڈیو
 سے نشر ہو چکے ہیں دور درشن نے بھی انہیں نظر انداز نہیں کیا سیاست اخبار میں
 بھی ان کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ زندگی لاگھ مصروف سہی میں اپنے مرحوم
 دوستوں کو بھی ہمیشہ یاد کرتا رہتا تھا اہل انگی یادوں کے چراغ میں دل میں اپنی پوری آہ
 تانے کے ساتھ حل ہے میں یہ خدا میرے ان تمام دوستوں پر ہر زبان سے جو میری یادوں کا ایک
 ٹوٹ حصہ ہیں۔

گلاؤں کی چاؤڑھی کو دیرسہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ۱۹۵۳ء میں میٹرک
 سدا سیو پیٹھ ہائی اسکول سے کامیاب کیا میٹرک کامیاب کرنے کے بعد عدالت
 سدا سیو پیٹھ میں نقل نویسی پیرا مور ہوئے۔ عثمانیہ یونیورسٹی سے خاکسکی ایم اے کی
 حیثیت پی اے۔ بی ایڈ کا امتحان کامیاب کیا۔ محکمہ تعلیمات سے وابستہ ہوئے
 بہترین استاد کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ ادبی ذوق تھا۔ افسانہ نویسی
 سے ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۶۶ء میں روزنامہ ملاپ میں پہلا افسانہ شائع
 ہوا۔ طنزیہ و مزاحیہ مضامین لکھنے لگے۔ زندہ دالان حیدر آباد کے شریک معتمد
 اور معتمد رہے طنزیہ و مزاحیہ مضامین کے علاوہ بہت سے خاکے لکھے رہنمائے دکن
 کے سنڈے ایڈیشن کے مرتبہ ہیں۔ ننگو زبان میں ہمارت ہونے کی وجہ سے
 عدالت بمضنی میں مترجم کی خدمات بھی انجام دیں۔ دہلی۔ بمبئی۔ کھنڈ۔ کلکتہ اور دیگر
 ریاستوں میں طنز و مزاح کے ادبی اجلاسوں میں شرکت کی۔ ان کی تین کتابیں
 سائیڈ سے چلیئے۔ ’دُر پرہ‘ اور ’چنایچہ‘ شائع ہو چکی ہیں اردو اکیڈمی سے ان
 کی کتابوں کو انعام بھی مل چکا ہے۔ کچھ عرصہ روزنامہ منصف سے بھی وابستہ رہے
 ۔ ۱۹۹۸ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ شمع انجم سے میری پہلی ملاقات خیرات ندیم
 صاحب کے دولت خانہ پیر پوٹلی تھی۔ خیرات ندیم صاحب بھی پیٹھ درس و
 تدریس سے وابستہ تھے بلکہ بعض مدارس میں دونوں کا ساتھ رہا۔ شاعروں میں
 میرا ایسا خیال ہے کہ خیرات ندیم صاحب کے بعد میں ہی ان کے زیادہ قریب
 رہا ہوں۔ مجھ سے بہت بڑے لکافی سے ملتے تھے ہم میں بڑے کلفانیہ گفتگو رہتی تھی
 جیسے میں نے خوشبو کا مسرے نکالنا چاہا تو انہوں نے مجھے مبارک باد دیتے ہوئے

سید رحیم الدین توفیق

خاموش طبع نفیس انسان۔ نامور سرزد مزاج نگار

ہمیں اپنی سوسائٹی میں در طرح کے لوگوں سے سابقہ رہتا ہے
 کچھ تو اپنے احباب اپنے رشتہ داروں اور اپنے جاننے پہچانے والوں سے کھل کر
 گفتگو کرتے ہیں اور کچھ صرف ضرورتاً گفتگو کرنے ہیں خاموش خاموش سے رہتے
 ہیں۔ ظاہر ہے کہ لمبا نفع مختلف رہتے ہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگوں
 کی خاموشی اظہار کا آئینہ ہوتی ہے لیکن ایسے لوگ جو کھلے دل و دماغ کے ہونے
 ہیں چاہے وہ کھل کر گفتگو کریں یا خاموش رہیں سوسائٹی کے لیے قابل
 قبول رہتے ہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ زیادہ بولتے ہیں ان کی بعض
 باتیں موضوع گفتگو کے لحاظ سے غیر سوزوں رہتی ہیں یعنی ان کے لیے مطلب
 لفظوں کے بغیر بھی گفتگو مکمل رہتی ہے اگر ایسا ہو تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شخص
 نہایت مختاطراتانہ میں گفتگو کیا کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں جو لوگ گفتگو کے
 فن سے واقف نہ ہوتے ہیں وہ پیچھے تلے الفاظ میں اپنا مافی الضمیر ادا کرتے ہیں
 کم از کم دونوں افسانوں کے استعارے سے غلطی پر گفتگو کا اچھا اثر پڑتا ہے

اور ایک ایک جملہ اضافی لفظوں سے محفوظ رہے تو کیا جاتا ہے کہ یہ شخص قادر اور قادر البیان ہے جینی اس کی گفتگو کا ہر جملہ با معنی اور پُر اثر سمجھا جاتا ہے زیادہ لفظوں کا استعمال بعض دفعہ نظر کی صورت حال اختیار کر جاتا ہے لوگ سستے ضرور ہیں لیکن سنجیدہ نہیں رہتے۔ بعض دفعہ لوں بھی ہوتا ہے کہ یا گفتگو کرنے والے پر روع کوئی کا الزام لگ جاتا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ لفاظ شخص ہے یعنی اس کی گفتگو میں بہت سے لفظ قابل اعتبار نہیں رہتے، خارج سمجھے جاتے ہیں۔ اس طرح کے لفاظ لوگوں کے مقابلے میں خاموش طبع، کم کم گفتگو کرنے والے لوگ معاشرہ کے سنجیدہ لوگوں میں زیادہ پسند کیے جاتے ہیں مثلاً یہ بتاتا ہے کہ اس طرح کے لوگوں کی شناخت بڑی آسانی سے کی جاسکتی ہے ہر شخص کے یقیناً احباب ہی زیادہ ہوتے ہیں اور ان احباب میں دونوں قسم کے یعنی دونوں طبائع کے لوگ موجود رہتے ہیں اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ”کونٹر ہم جنس با ہم جنس پیرواز“۔ زیادہ گفتگو کرنے والوں کا ایک حلقہ رہتا ہے اور کم گفتگو کرنے والوں کا ایک حلقہ۔ لیکن ان دونوں حلقوں کے امتزاج سے بعض دفعہ ایک عجیب صورت حال پیدا ہو جاتی ہے یہ جاننا مشکل ہو جاتا ہے کون کس حلقہ سے تعلق رکھتا ہے ہر حال ہر شخص یکساںیت کے بعد تنوع کا متمنی رہتا ہے اس کی ایک روشن مثال نامور طنز و مزاح نگار اور معاشرہ کے ایک نفیس انسان رحیم الدین توفیق کی بی بی فقی رحیم الدین توفیق کو میں گفتگو کے دوسرے زمرہ میں شامل کرتا ہوں اس لیے کہ انہیں میں نے جب بھی دیکھا، جب

بی ان سے گفتگو کی انہیں بے حد سنجیدہ پایا حالانکہ ان سے بیسیوں دفعہ ملاقاتیں رہیں، لیکن رسمی۔ رحیم الدین توفیق میری استاد، صاحب طرز طنز و مزاح نگار، پروفیسر حبیب ضیاء کے شوہر محترم تھے وہ ہمیشہ پروفیسر حبیب ضیاء کے ساتھ ادبی جلسوں اور مشاعروں میں شرکت کرتے تھے یابیوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ رحیم الدین توفیق صاحب کے ساتھ پروفیسر حبیب ضیاء آتی تھیں۔ کون کس کے ساتھ آتا ہے یہ بات اہم نہیں ہے یہ بات اہم ہے کہ دونوں کو ادبی ذوق یکھنے لانا تھا۔ دونوں ہم خیال تھے۔ ایک دوسرے سے والہانہ محبت تھی دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی تھی، محفلوں میں دونوں خاموش خاموش رہتے۔ کبھی کسی سے بھی غیر ضروری گفتگو نہیں کرتے تھے۔ میں رحیم الدین توفیق کا دوست کبھی نہیں رہا البتہ ایک ادیب اور میری استاد کی شوہر محترم ہونے کی وجہ سے ان کی عزت کرتا تھا ان سے زندہ دلان حیدر آباد کی میٹنگوں میں ملاقات ہوا کرتی تھی پھر بعد میں ادبی جلسوں اور مشاعروں میں ان سے ملاقات ہوتی رہی۔ (میں بھی زندہ دلان حیدر آباد سے وابستہ تھا) میری ابتدا ملاقات کا آغاز زندہ دلان حیدر آباد کی میٹنگوں سے ہوا۔ رحیم الدین توفیق کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین شکوفہ میں شائع ہوتے رہتے تھے مجھے معلوم ہوا کہ وہ مزاحیہ و طنزیہ مضامین بھی لکھتے ہیں لیکن میں کسی بھی محفل میں انہیں مضمون پڑھتے ہوئے یا انہیں تقریر کرتے ہوئے نہیں دیکھا انہوں نے اپنے منتخب مضامین کی کتاب ”کہیں دیکھا ہے“ میرے

حوالہ کی جو میرے کتب خانے کی زینت بنی ہو، اے رحیم الدین توفیق مرزا،
 مرنج نہایت شریف، پروقار، بااخلاق، بردبار اور نیک صفت انسان
 تھے، پُر خلوص، شائستہ و سنجیدہ طبیعت کے مالک، تھے نہایت پُرتپاک
 طریقے سے ملاقات کرتے تھے۔ میں نے رحیم الدین توفیق صاحب کو اور پروفیسر
 حبیب ضیاء کو ہمیشہ وقتِ مفررہ پر ادبی جلسوں میں شرکت کرتے ہوئے
 دیکھا ہے قابلِ مثال جوڑی تھی ان دونوں کی قابلِ رشک ازدواجی
 زندگی رہی نہایت خوشحال و آسودگی کے ساتھ ان کے شام و سحر
 گزرتے رہے۔ رحیم الدین توفیق کے انتقال کے بعد کئی دنوں تک
 پروفیسر حبیب ضیاء اپنے آپ کو سہقال نہیں سکیں۔ شدید صدمہ
 سے دوچار رہیں۔ اب کچھ نارمل ہوئی ہیں لیکن ابھی ادھوری زندگی
 کے ساتھ ادبی محفلوں میں شریک ہوا کرتی ہیں۔ ادبی محفلوں میں
 کم کم شرکت کر رہی ہیں رحیم الدین توفیق میرے زیرِ اہتمام منعقد ہونے
 والے میرا شہر میرے لوگ کے ادبی جلسوں اور مشاعروں میں بایا بندی
 شرکت کرتے تھے اور اختتامِ تقریب تک شریکِ محفل رہتے تھے۔
 دورانِ محفل کبھی بھی اُٹھ کر نہیں جاتے تھے۔ ادبی جلسوں میں بھی شریک رہتے
 تھے اور مشاعروں میں بھی۔ ادارۃ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے اُجالوں کے
 مسافروں کے زیرِ عنوان ڈاکٹر حبیب ضیاء کے فن اور شخصیت کے اعتراف میں
 ادبی تقریب منعقد کی گئی تھی ابواسلام آزاد انسٹی ٹیوٹ میں منعقد اس نہایت
 جلے کو شہر کے مشاہیر اُردو ڈاکٹر سید عبدالمنان، پروفیسر جعفر نظام، ڈاکٹر صادق نقوی

نہیال سنگھ ورمہ، ہاشم حسن سید ڈاکٹر مصطفیٰ کمال نے مخاطب کیا تھا۔ پروفیسر حبیب ضیاء اپنے شاگرد (یعنی راقم الحروف) کی حوصلہ افزائی میں پیش پیش رہتی ہیں انہوں نے میری کتابوں کی رسم ابراہیم تقریب کے موقع پر ہمیشہ پُر خلوص محکمہ پیش کیا۔ مثال اڑھا کر یہی خوش محسوس کرتی رہیں تو فیق صاحب سے کچھ ملاقاتیں شگوفہ کے دفتر پیر ہی ہوئی ہیں۔ ایک دن یہ انتہائی تکلیف دہ خبر ملی کہ رحیم الدین توفیق صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ بے حد صدمہ ہوا۔

میت کے دیدار کے لیے گھر پہنچا۔ تمام لوگ آب ریدہ ننھے رنج و غم میں ڈوبے ہوئے تھے وہاں ڈاکٹر مصطفیٰ کمال سے ملاقات ہوئی جن سے توفیق صاحب کے عارضہ اور انتقال کی تفصیل معلوم ہوئی۔ البتہ انتقال سے ۳، پہلے میں نے سنا تھا کہ یہ وجہ ناسازی مزاج انہیں کسی ہاسپٹل میں شریک یا چھینٹا تھا۔ رحیم الدین توفیق ۴ اکتوبر ۱۹۳۲ء حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سید یوسف العین تھا توفیق چھل گورنمنٹ ہائی اسکول دارالعلوم، سٹی کالج اور ولوک وردھنی کالج سے تعلیم حاصل کی۔ والد کے انتقال کے بعد انہیں نرنک تعلیم کر کے ملازمت کرنی پڑی۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے کی تکمیل بعد اٹل یونیورسٹی بمبئی سے پوسٹ گریجویٹ مسائیس میں ایم۔ اے کیا۔

۱۹۶۳ء ۱۹۶۴ء ان کی شادی ڈاکٹر حبیب ضیاء سے ہوئی۔ حبیب ضیاء صدر شعبہ اردو یونیورسٹی کالج فار ویمن کے عہدے سے ۱۹۹۵ء میں سبکدوش ہوئیں۔ رحیم الدین توفیق کو ایک لڑکی عفت النساء اور ایک لڑکا سید فہیم الدین ہیں لڑکی کی شادی سید افتخار الدین (آرٹ ڈائریکٹر جده) سے ۱۹۸۴ء میں ہوئی

سید نسیم الدین نے MBA کر کے دو بی بی میں ملازمت اختیار کی۔ وہاں وہ بحیثیت مارکیٹنگ انجینئر انجی خدمات انجام دے رہے ہیں دونوں بچے اطاعت گزار اور فاضل شناس ہیں۔ والدین کا ہر طرح خیال رکھتے ہیں۔ نسیم الدین توفیق کو ابتداء ہی سے ادب سے لگاؤ تھا زمانہ طالب علمی ہی سے وہ مختلف ناول نگاروں کی تخلیقات کو دلچسپی سے پڑھتے تھے طنز و مزاح سے فطری لگاؤ تھا۔ شفیق الرحمن کے علاوہ دوسرے مزاح نگاروں کے مضامین کو نہ صرف پڑھتے بلکہ بے انتہا سراہتے تھے طنز و مزاح لکھنے کی فطری صلاحیت تھی ایک عرصہ تک مضامین لکھ کر فائل میں رکھ دیتے۔ بعد میں ماہنامہ شگوفہ اور اخبار منصف اور عوام میں شائع ہونے لگے۔ ۱۹۹۹ء میں مضامین کا مجموعہ ”کہیں دیکھا ہے“ شائع ہوا۔ ادبی حلقوں میں اس کی خاصی پذیرائی ہوئی دابستہ رون نے بے حد پسند کیا۔ اس مجموعہ کی اشاعت کے لیے اردو اکیڈمی اور زندہ دلائل حیدر آباد نے مالی تعاون کیا۔ کتاب پر اردو اکیڈمی آئندھرا پردیش کا بابتقار ایوارڈ بھی عطا کیا گیا۔ حیدر آباد کی مختلف ادبی انجمنوں سے وابستہ تھے زندہ دلائل حیدر آباد، انجمن ترقی اردو، انجمن ترقی پسند مصنفین ادارہ میرا شہر میرے لوگ، ادارہ ادبیات اردو کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ادبی تقاریر میں پابندی سے شرکت کرتے تھے گزشتہ دس بارہ برسوں سے ماہنامہ شگوفہ کی مجلس ادارت میں شامل رہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال نے ان کی فرض شناسی اور ادبی صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے انہیں یہ اعزاز دیا جسے آخر دم تک انہوں نے بحسن خوبی نبھایا۔ وہ آئی ڈی بی ایل گیسٹ ہاؤس مینجر کی

جیثیت سے نمایاں خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۹۰ء کو وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ ان کا خاص وصف محنت، لگن اور دیانت داری رہا۔ دوران ملازمت انتہائی شاندار ریکارڈ رہا۔ آئی ڈی پی ایل کالونی کے کابینوں اور کمپنی کے عہدیداروں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے والے خاص طبیعت کے مالک تھے خاموشی ان کی فطرت تھی بیوی بچوں سے بے محبت کرنے والے بچوں کی تعلیم و تربیت پر ہمیشہ توجہ دیتے رہے۔ خاندان کے سخی انوار ان کی خوش مزاجی، نیک اور سچی بیوی فطرت سے متاثر تھے ہمیشہ خود کو معرّف رکھا کرتے تھے لکھنے پڑھنے کے علاوہ بچپن ہی سے موسیقی سے فطری لگاؤ تھا مشہور شعراء کی غزلیں از بر تھیں حیدر آباد کے مشہور گلوکار جناب نعل راؤ سے استفادہ کیا۔ سنگیت اساد فضل کے زیر اہتمام مستفید کی جانے والی موسیقی کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ رحیم الدین توفیق نے با اصول زندگی گزارا بھی کسی کی دل آزاری نہیں کی اور نہ کسی کو نقصان پہنچایا۔ چند ماہ کی مختصر علالت کے بعد ۱۴ مارچ ۲۰۰۲ء کو ان کا انتقال ہوا۔ رحیم الدین توفیق کے انتقال سے ہم ایک بہترین ادیب، اعلیٰ درجہ کا انسان سے محروم ہو گئے۔ مرحوم نہایت وجہ بھرپور شخصیت کے حامل انسان تھے۔

”خدا بخشنے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے ہیں“

عزیز بھارتی

ر سلسلہ روز و شب کے ایک کامیاب شاعر، محفل کے آدمی

ایسے اہل قلم جو اپنی زندگی کے خدوخال کی ترتیب و ترتیب میں مخلصانہ اور دیانت دارانہ رویہ اختیار کرتے ہیں انہیں اپنی شخصیت اور اپنی فکر انجیٹ کو سفار ز اور نکالنے میں کبھی سہی مایوسی نہیں ہوتی۔ معاشرہ میں سانس لینے والے ایسے دانشوروں کا ایک ایک لمحہ حیات جاوداں کی بشارت دیتا ہے اور وہ بلا قید و موسم اپنے فکر و خیال کو سپر اہن گلی سے آراستہ کرتے ہوئے مشامِ دل و جاں کو مسطر کرتے ہیں اپنی شناخت اپنی پہچان انسان کا سب سے اہم کارنامہ سمجھا جاتا ہے اپنے وجود کا احساس انسان کو باوقار انداز میں جیسے کافن سکھاتا ہے اپنی شاعرانہ انا اور اپنی خودداری کا تحفظ اصول پسند محبت شناس اور باکردار اہل قلم کا ونبہرہ ہوتا ہے عزیز بھارتی بھی اسی زمرہ سے تعلق رکھنے والے شاعر ہیں جنہیں قدرت نے ان تمام خوبیوں سے سرفراز کیا۔ عزیز بھارتی نے ایک شاعر اور معاشرہ میں پسند کیے جانے والے ایک انسان کی طرح اپنی زندگی کے سفر کو خوشگوار انداز میں

باری رکھا۔ انکی طبیعت ہم رنگ اور نزوع پسند ہے لیکن اس کے باوجود ان کے رکھ رکھاؤ، انکی نشست و برخاست کی میانہ روی، ان کی شخصیت کی آبیاری میں معاون ثابت ہو رہا ہے عزیز بھارتی ایک معترف شاعر کی طرح اپنی مضموم انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے فن کے ساتھ دیانت داری برت رہے ہیں ان کا شاعرانہ لب لہجہ بھی ان کے شائستہ اندازِ گفتگو کی طرح متاثر کرنا ہے انکی شاعری بھی مشاہدات، تجربات و محسوسات کا ایک ایسا دل پذیر تحفہ ہے جس کی خوشبو دامنِ شعروادب کو ہمارا ہے۔ عزیز بھارتی رائڈ از ۲۵ سال سے شعروادب کی محفلوں میں اپنے شاعرانہ وجود کا سمجھ پورا حس دلار ہے۔ دل میں منتظر کی طرح اتر جانے والے اُن کے شعور قاری و سامع کو یکساں طور پر متاثر کرتے ہیں۔ عزیز بھارتی نے جہاں اچھی غزلیں کہی ہیں وہیں انہوں نے غلدہ نظلیں و قطعات بھی کہے ہیں انہوں نے ہر صنفِ سخن کے ساتھ انصاف کیا ہے جہاں تک میری پسند کا تعلق ہے وہ ایک کامیاب غزل گو شاعر ہیں اس میں شک نہیں کہ ان کے قطعات بھی متاثر کرتے ہیں۔ عزیز بھارتی کے دوست احباب کا حلقہ بہت وسیع ہے لیکن وہ اپنے مخصوص احباب میں ہی زیادہ کھلتے ہیں شاعر یا لکچرین، دانشمین اندازِ گفتگو اور متاثر کن لب و لہجے کی وجہ سے وہ اپنے احباب میں نمایاں دکھائی دیتے ہیں عزیز بھارتی ایک طویل عرصہ سے درس و تدریس کے مقدس پیشے سے وابستہ ہیں اور اپنی تدریس ذمہ داری کو دیانت داری کے ساتھ پورا کر رہے ہیں اپنے شاعر دوستوں کی طرح اپنے ہم پیشہ اساتذہ سے بھی اُن کے روابط استوار ہیں میری دل خواہش ہے کہ وہ اپنی موجودہ شغلی ترقی اپنا شعری سفر جاری رکھیں

(اقبال سمیر و ہما پر جیا نیماں ۱۹۹۳ء)

جوہر مثنوی

(کہنہ مشق شاعر، باکردار اور مخلص انسان)

پُرانے شہر کے میرے ہم مزاج شاعروں میں کچھ ایسے شاعر بھی
 تھے جنہیں میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ جن کی بے لوث دوستی، جن کی بے ریا
 و بے داغ زندگی ہر اُس شخص کے لیے شمعِ فروزاں رہی جو اُجالوں اور اندھیروں
 کے فرق کو محسوس کرتے رہے جن کی پاک و صاف پُرکشش شخصیت اُس راہی
 کے بھی قدم روک لیتی ہے جو راستوں میں موجود رکاوٹوں کو نظر انداز
 کرتے ہوئے گزرنا چاہتے تھے اور "کہاں گئے وہ لوگ" کہنے والے لوگ بھی
 ادراکِ ماضی کا حصہ بنتے گئے۔ اگرچہ ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے لوگ ہمیشہ کے
 لیے دنیا سے اُٹھ جاتے ہیں لیکن اُن کی اچھائیاں اُن کی خوبیاں دامن گیر رہتی
 ہیں اور اپنی یادوں سے یہ احساس دلانا چاہتی ہیں کہ اگرچہ ہم جسمانی طور پر
 تمہارے ساتھ نہیں ہیں لیکن ہماری یادیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی
 جو تمہیں ہماری کمی کا احساس دلاتی رہیں گی۔ عمر کی آخری منزل پر پہنچنے والا

انسان جب ماضی کے ادراقی آلے لگ جاتا ہے تو ایک ایک لمحہ منوج کرتا ہے کہ ہم اپنی مصروف زندگی کے کچھ لمحے تھیں دو سنتوں، اپنے چاہنے والوں کے لیے بھی نکالیں۔ رواں دواں زندگی اگر چہ ہمیں بھی ٹھہرنا نہیں چاہتی لیکن کچھ مقامات ایسے بھی ہیں جہاں رک کر دم لینا پڑتا ہے یا دوں کا فافلہ منزل تک پہنچنے کے بعد پھر سرگرم عمل رہتا ہے۔ یادیں انسانی زندگی میں بہت سی بیڑی نعمت ہوتی ہیں اگر انسان سے اُس کی یادیں چھین لی جائیں تو اُس کی زندگی ادھوری رہے گی اُس لیے روشن ضمیر، پاک طینت اور روشن دل و دماغ رکھنے والے لوگ یا دوں کو اپنی زندگی کا ایک اہم حصہ بنا لیتے ہیں جو ان کی ہر سانس سے وابستہ رہتا ہے۔ میرے بہت سے شاعر ادیب دوست جو ادراقی ماضی سے تعلق رکھتے ہیں اُن میں کچھ ایسے بھی تھے جو میرے دل میں پوستانہ ہو کر رہ گئے ہیں اُن میں سے ایک مکمل ترین شخصیت نامور شاعر جو ہر ہاشمی کی بھی تھی جو ہر ہاشمی کی ساری عمر کشمکش حیات سے برسرِ پیکار رہی۔ پل بھر کے سکون کے لیے اُس شخص نے کئی برس گزارے اپنی زندگی کی بہتری اور اپنی معیشت کو بہتر بنانے کے لیے سخت جدوجہد کی۔ بیماری ہو کہ صحت مندی کا زمانہ ہو، وہ اپنے کاروبار سے جڑے ہوئے رہے اُن کی تمام زندگی دھوپ چھاؤں، راحتوں اور تنہیوں سے عبارت ہے۔ جو ہر ہاشمی ۱۹۳۰ء میں کنٹرول ورزی ضلع نانڈیر میں پیدا ہوئے متشی فاضل جامعہ نظامیہ کے طالب علم رہے عینک سازی / تجارت کے کاروبار سے وابستہ ہوئے۔

جو ہر ہاشمی پیرانے شہر کے نامور استاد شاعر تھے عینکوں اور فونٹن پن کے کاروبار سے ان کی گزر بسر ہوتی تھی۔ اُن کے فرزند اب بھی اپنے شغوقِ باب کے کاروبار کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ جاری رکھتے ہوئے ہیں جو ہر ہاشمی کی دوکان پر جو پتھر گئی سپروجنہری کی دوکان کے سامنے ایک چھوٹے سے کھلم حصے پر واقع ہے دروازہ اور قفل سے بے نیاز ہے یعنی ان کی دوکان ایک کھل دوکان ہے جو رات کو ڈیوں میں بند رہتی ہے اور دن میں کھل جاتی ہے ان کی دوکان فٹ پاتھ کی دوکانوں کا ایک حصہ ہے بلڈنگ کے نیچے۔ یہ وہ کھلی دوکان ہے جہاں اردو کے نامور شاعر علامہ نجم آفندی اور علامہ حیر پڈانی بدھیز دم بھر کے لیے رک جاتے تھے۔ اپنی مرضی کے پن بھی خریدتے تھے یہ بات مجھے خود جو ہر ہاشمی نے بتائی تھی۔ ویسے پیرانے شہر کے تقریباً تمام شاعر ان کی خدمات سے مستفید ہوتے رہے ہیں جو ہر ہاشمی انتہائی بااخلاق بامروت دوستی کے قابل انسان تھے جب کبھی میں پتھر گئی سے گزرتا لازماً کچھ دیر کے لیے اُن کی دوکان پر رک جاتا۔ جیسے ہی میں پہنچتا مجھ سے کہتے چلیے آدھی پیالی چائے ہو جائے۔ پھر وہ شہر ان ہوٹل لے جاتے۔ بعض دفعہ دوکان پر ہی چائے منگواتے تھے موسم گرما میں شہر ان کی لسی سے تواضع کرتے اور کبھی زیادہ خوش رہتے تو کہتے چلیے گلزارِ حوضِ تنگ چلیں۔ بازو ہی آگرہ ہوٹل ہے جہاں کی مٹھائی بہت اچھی ہوتی ہے جو ہر ہاشمی بہت کھلے دل کے انسان تھے دوستوں کی تواضع کر کے خوشی محسوس کرتے تھے۔

جو ہر صاحب سے میری دوستی کی عمر زائد ہے، میری رہی پیرانے شہر کے اکثر

مشاعروں میں اُن کے ملاقات ہوتی تھی نئے شہر کے بعض بڑے مشاعروں میں بھی انہوں نے کلام سنایا ہے کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام چھ دنوں کے سالانہ کل ہند مشاعروں میں ہر سال مدعو رہتے۔ جو ہر باطنی ترنم میں شعر سناتے تھے ان کا ترنم بہت خاص تھا اپنے مخصوص ترنم سے مشاعرے کو پُر اثر بنا دیتے تھے آداب محفل کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے سینئر شاعروں اور اساتذہ کرام کا احترام کرتے تھے جو ہر باطنی صرف مشاعرے کے شاعر ہی نہیں تھے کتابوں اور رسائل کے بھی شاعر تھے ملک بھر کے ادبی رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا ہے اخبار سیاست میں پابندی کے ساتھ کلام شائع ہوتا تھا خوشیو کا سفر میں بھی ان کی غزلیں شائع ہوتی رہیں۔ آل انڈیا ریڈیو سے ان کا کلام نشر ہوتا تھا دور درشن کے انجمن کے مشاعروں میں اپنا کلام سنایا ہے ان کے دو مخبری مجوے ان کی یادگار ہیں نگارِ سحر ۱۹۶۹ اور نشا و سحر ۱۹۹۳ میں شائع ہوئیں۔ ان کی کتابوں پر ملک کی بعض اُردو اکیڈمیوں سے انعام مل چکے ہیں یہ یاد میں کئی سرکاری مشاعرے پڑھ چکے ہیں کل ہند مشاعروں میں بھی حصہ لیا۔ اضلاع کے مشاعروں میں اکثر ہمارے ساتھ رہتے بلکہ ہمارے ہم سفر رہتے۔ ہماری کار میں وہ بھی رہتے۔ جو ہر باطنی استاد شاعر طالبِ رزاق کے خاص شاگرد تھے جو ہر باطنی کے بھی شہر اور اضلاع میں بہت سے شاگرد ہیں آدابِ مشعرہ اور مشاعروں کی روایت کی پاسداری کرتے ہوئے شیردانی زیب تن کرتے تھے میرے ہم خیال شاعر دوستوں میں ان کی رسم و رادہ خاص طور پر ملحوظ

اور ڈاکو، راہی کچھ زیادہ ہی تھی۔ پیرانے شہر کے ایک مشہور شاعر بے ہوش
 محبوب نگر سے بھی ان کے گہرے مراسم تھے بے ہوش صاحب کو میں نے
 ان کی دوکان پر ان کے دفعہ دیکھا ہے جو ہر ہاشمی کے ہائیٹے ہیں جن کے نام
 یہ ہیں سید منور علی، سید اعجاز علی، سید اعلیٰ علی، سید ابراہیم علی، سید یوسف
 علی۔ ان کے چہیتے فرزند سید یوسف علی نے ان کے کاروبار کو سنبھال لیا ہے۔
 اپنی شاعری کے ابتدائی دنوں میں شاید ہی پیرانے شہر کا کوئی مشاعرہ ہو گا جس
 میں جو ہر ہاشمی نے شرکت نہ کی ہو انتقال سے کچھ برس پہلے وہ تنفس کے
 عارضہ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جو ہر ہاشمی کبھی منتقلین مشاعرہ پر بار نہیں بیٹے۔
 ان کی موجودگی سے کار کا سفر نہایت خوشگوار رہتا تھا۔ بہت ہی پیارے
 انسان تھے وضع داری، حکمرانی، شرافت ان کی طبیعت کا ایک خاص وصف
 تھا۔ انہوں نے رشتہ دوستی کو زندگی کے آخری لمحوں تک سلیقے کے ساتھ نبھایا۔
 کسی بھی شاعر سے ان کی چشمک نہیں تھی۔ ہر مکتب خیال کے شاعروں نے انہیں
 پسند کیا۔ شہر کے مقبول شاعر تھے نعتیہ شاعروں میں نہایت خشنوع و خضوع
 کے ساتھ شرکت کرتے تھے عطر کی ایک شیشی ان کے حبيب میں موجود رہتی۔
 سر پر ٹوپی رہتی۔ ٹوپی صرف نعتیہ و متعقبتی مشاعرہ میں پہنتے تھے۔ غزل کے
 مشاعروں میں اپنے پورے باچکن کے ساتھ شریک رہتے تھے۔ میرا شہر میرے
 لوگ، سوغات نظر کے مشاعروں میں شریک رہا کرتے تھے صرف اردو کے شاعروں
 ہی سے نہیں ہندی کے شاعروں سے بھی ان کی دوستی تھی۔ ہندی نیکھک سنگھ اور
 گیت چاندنی کے مشاعروں میں شریک رہتے۔ ہندی شاعروں میں نہال سنگھ درما

ان کے پسندیدہ شاعر ہے۔ جو ہر ہاشمی شگفتہ مزاج تھے کبھی بھی ان کے چہرہ پر
 کسی بھی قسم کے تردد کی علامت دکھائی نہیں دی۔ ہر حال میں خوش رہنے کے
 عادی تھے جس حالت میں وہ جی رہے تھے خدا کا شکر ادا کرتے تھے اللہ پر بھروسہ
 کرنے والے توکل پسند انسانوں کی خداداد کڑی ہے نیک انسان تھے اس لیے مجھ
 اپنے کچھ خاص دوستوں کی نظر میں رہے۔ وہ خود ایک پاک و صاف انسان تھے
 اس لیے ان کے دوستوں کا جب یہ نیک و صاف لوگوں کا تھا۔ اُن کا مجھ
 سے غیر معمولی بار بار نہ تھا۔ بے حد خلوص سے ملتے تھے انہوں نے اپنی شاعرانہ وضع دار کا
 کو کبھی متناثر ہونے نہیں دیا۔ ایسے ہی مشاعروں میں شرکت کرتے تھے جہاں انہیں
 شرکت کرنے ہوئے مسرت محسوس ہوتی تھی مشاعروں میں وقت بسر پہنچ جاتے
 تھے منام کے اختتام تک شریک محفل رہتے تھے آدابِ شاعرانہ سے کما حقہ واقفیت
 کی وجہ سے شاعروں کو داد دینے کا ان کا طریقہ بھی باوقار ہوتا۔ بہترین شاعر
 تھے علمِ عرب سے بھی واقفیت تھی جو شاعرے میرے دیرا تمام رہتے اُن
 مشاعروں میں جو ہر ہاشمی کی شرکت کو یقینی بنانے کے لیے شخصی دلچسپی لیتا رہا ہوں۔
 جو سب کچھ جیسے وضع دار، شریف انسان اور مجتہد شاعر جہاں کہیں بھی ملتے ہیں تو
 ٹھٹ کر ان سے ملنے کو جی چاہتا ہے اچھا انسان ہمیشہ ساتھ رہتا ہے فکر و خیال
 کے گوشوں میں محفوظ رہتا ہے اللہ مغفرت کرے بے حد نیک انسان تھے جو ہر
 ہاشمی کا لبوا کلبان کے نعتیہ مشاعرہ میں گذشتہ ۱۲، ۱۵ برسوں سے ہمارا ساتھ
 رہا۔ اُن کے ہم سفر رہنے سے سفر بے حد خوشگوار رہتا تھا۔ دلیپ لٹائن
 کا سلسلہ جاری رہتا۔ بھرپور تفریح ہو جاتی تھی۔ ادارہ سوغاتِ نظر کی جانب

سے ان کے فکر و فن کا جائزہ اجلاس منعقد کیا جا چکا ہے۔ ایوانِ پرنس معظ
جاہ شہجیہ کے مشاعروں کے علاوہ اردو مجلس کے مشاعروں اور ایوانِ اردو
کے سالانہ مشاعروں میں بھی کلام سُنا چکے ہیں۔

جب تک میں رہوں گا میری ہر سانس اپنی خراج پیش کرتی
رہے گی۔ اچھا انسان، اچھا دوست اپنی بہترین نیکیوں اور ایسے لو
جذبہِ خلوص سے ہر شخص کے دل میں اپنی جگہ بنالیتا ہے۔ جو ہر گز
شاعر ہیں جو بھلا سے نہیں جاسکتے۔

سید نور محمد

(حکیم الطبع۔ رقیق القلب۔ خوش مزاج شخصیت)

اگر کسی شخص کی زندگی میں خاندانی اور ذاتی شرافت ہم رکاب ہو جاتی ہے تو اس کا ہر ایک کام جو خود اس کی اپنی ذات اور معاشرہ سے وابستہ رہتا ہے بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہتا ہے۔ یہ سمجھ ہے کہ اگلے اُس وقت زیادہ روشن رہتے ہیں جب ان کا گذر اندھیروں کے درمیان نہ سہی اُس کے آس پاس سے ہوتا ہے۔ ہر انسان کی زندگی دھوپ چھاؤں سے عبارت ہے زندگی میں اُجالوں اور اندھیروں کا شکار ہونا رہتا ہے صراطِ مستقیم کے ساتھ ساتھ ٹیڑھے میڑھے راستے بھی ایک راہ کے قدموں کی آہٹ سے مانوس رہتے ہیں۔ لیکن ایک ایسا شخص ہی اپنی زندگی میں کامیابی کی منزل طے کرتا چلا جاتا ہے جو ہر قسم کے حالات سے آشنا ہو اور اس میں اتنا حوصلہ ہو کہ وہ ٹھنڈی چھاؤں سے راحت محسوس کرتے ہوئے دھوپ کی تمازت بھی برداشت کرے۔ اس طرح کے حالات سے گزرنے کے لیے ایک لمبی عمر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس کی قسمت میں جتنے ماہ سال

سید نور محمد نے اپنے چھوٹے بھائی سید ممتاز محمد کے تعاون سے پریس کے کام کو جاری رکھا۔ ممتاز محمد طباعت اور طباعت سے متعلق سارے کام دیکھ لیا کرتے تھے نور محمد کام کی نگرانی کرتے تھے کچھ برس کے بعد ممتاز محمد نے اعجاز پریس سے منسلک اپنا الگ پریس لگا لیا۔ نور محمد نہایت بااخلاق بامروت، دیانت داری و وفاداری کے ساتھ اپنے کاروبار کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ چھتہ بازار میں پرنٹنگ پریس کے اور بھی مالکین موجود ہیں لیکن وہ لوگ قابلِ تحسین بھی ہوں گے لیکن میرا رابطہ تقریباً ۴۰ برس سے اعجاز پرنٹنگ پریس سے قائم ہے میری تقریباً تمام شعری و نثری کتابیں اعجاز پریس ہی میں شائع ہوئیں۔ سید نور محمد سے میرے روابط تقریباً ۲۵ برس سے ہیں۔ نور محمد کے شب و روز اعجاز پریس کی ترقی اور بہتری کے سلسلے میں گزرتے رہے۔ نور محمد کبے وقت موت نے ان کے بہت سے کاموں کو ادمورا چھوڑ دیا۔ ہر ستمبر ۱۹۶۲ میں ان کا انتقال دماغ کی شریانیں پھٹ جانے کی وجہ سے ہوا انتقال کے وقت ان کی عمر ۴۴ برس کی تھی۔ نور محمد نے جتنی عمر پائی اس عمر میں نیک نامی کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھا۔ ان کے ایماندارانہ اور پاک و صاف کاروباری انداز نے انہیں مقبول بنادیا تھا۔ پریس کو آنے والا ہر شخص پورے محدودہ کے ساتھ اپنا کام حوالے کرتا تھا نور محمد پریس کو آنے والے تمام لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنے سے یہی نہیں پریس کا ہر کام نہایت کم اجرت پر تکمیل کرواتے۔ کھڑے کھڑے کاروبار ہونے کی وجہ سے ایک

اجنبی شخص بھی بالراست اُن کے پیرس پہنچ جاتا تھا اور اس کا کام کم اور واجبی اجرت پیر تکمیل پا جاتا۔ نور محمد بے شمار خوبیوں کے مالک تھے کاروباری دنیا میں نہایت ایماندار شخص مانے جاتے تھے ان کے پیرس میں ہر عقیدے کے اشخاص اپنا کام لے کر آ جاتے اور پیرس کے کام سے مطمئن ہو جاتے۔ اعجاز پیرس کی کاروباری وقعت آج بھی برقرار ہے۔ سیاست اخبار اور انتخاب پیرس کے بہت سے طباعتی کام اعجاز پیرس میں انجام پاتے تھے اخبار سیاست سے ان کے گہرے مراسم رہے اصلاغ آندھرا پیریش اور اصلاغ حید آبادکن کے شاعروں، ادیبوں کی کتابیں بھی اعجاز پیرس میں چھپ چکی ہیں تمام ادبی حلقوں میں اس پیرس کا ایک بیڑا نام ہے دیانت داری احساس ذمہ داری نے اعجاز پیرس کی آبرو کو بیڑا یا ہے نور محمد صاحب نے اپنے بھروسہ اور اعتماد کی مہر ثبت کی ہے۔ میں نے اپنے بہت سے دوستوں کی کتابیں اعجاز پیرس ہی میں چھپوائی ہیں مجھے کبھی بھی نور محمد صاحب نے شکایت کا موقع نہیں دیا۔ نور محمد صاحب کی قراخ دلی سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ بہت کم اجرت پر طباعتی کام انجام دیئے جاتے تھے نور محمد صاحب نے بیڑوں کا احترام کرتے تھے اپنے ہم عمر لوگوں سے نسبتاً زیادہ کھن کر گفتگو کرتے اور اپنے مراسم کو استوار رکھتے تھے۔ نور محمد کی زندگی میں بھی بہت سے لوگوں کی طرح کچھ تیشب و فراز آئے لیکن انہوں نے خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی ساکھ کو برقرار رکھا۔ اپنی ذمہ داریوں کو

دیانت داری کے ساتھ پورا کیا۔ ان کا رویہ ہمیشہ متوازن رہا۔ ان کے اعتدال پسند انداز، بہت سے مرحلوں میں ان کا سچا معاون ثابت ہوا۔ تمام دوستوں اور اہل خاندان کے ساتھ اپنے مراسم کو قائم رکھا۔ نور محمد، مجھے اور میرے بعض ہم خیال دوستوں خاص طور پر رئیس ختر اور مومن خان شوق کو اپنے قریب سمجھتے تھے میرے دوستوں سے متعلق کوئی بھی طباعت کا کام ہوا اس کو اولیت دیتے اور ہر وقت اس کے کتابیں یا نسخہ جو کچھ بھی پیرس کے حوالے کئے جاتے وقت مقررہ پرنکس پاتا۔ بلکہ شریف کے سجادہ مولانا سید شاہ ابراہیم قادری سے بھی ان کے گھرے مراسم، عرس شریف سے متعلق جو کچھ بھی طباعت کا کام ہوتا اعجاز پیرس کے حوالے کرتے تھے (اب ان کے بیٹے نے اس روایت کو برقرار رکھا ہے) جہاں تک میری معلومات ہیں حجتہ بازار میں اعجاز پیرس سب سے زیادہ مشہور پیرس ہے۔ نور محمد نے اپنے والد محترم کی روایت کو باقی رکھا۔ اپنے والد کے ملنے والوں اور ان کے شاگردوں سے بے حد ادب و احترام سے ملتے تھے۔ اعجاز پیرس اپنی اعلیٰ روایات کا آج بھی ترجمان ہے نور محمد صاحب کے انتقال کے بعد کچھ دنوں پیرس کی رفتار سست رہی لیکن بتدریج پیرس معمول پر آ گیا۔ نور محمد صاحب کے چھوٹے بھائی ممتاز محمد کی زیر سرپرستی وزیر نگرانی نور محمد کے فرزندان اکملہ محمد اور ارشد محمد نے کاروبار کو سنبھال لیا ہے نور محمد صاحب کے دونوں بیٹے بے حد بااخلاق ذمہ دار اور قریب شناس ہیں پیرس میں زیادہ تر سڑے بیٹے اپنا

وقت دیتے ہیں دونوں لڑکے اپنی تعلیمی مصروفیات کو سرقرار رکھتے ہوئے پیرس کے کاموں میں بھی کافی وقت دیا کرتے ہیں سید ممتاز محمد کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے انہوں نے اپنی سرپرستی میں اعجاز پیرس کی ساکھ کو باقی رکھا۔ ان کا شخصی دلچسپی کی وجہ سے اعجاز پیرس کے کاروبار رواں دواں ہیں۔ وہ پیرس کا ہی نہیں اپنے دونوں بھتیجیوں کا بھی خیال رکھتے ہیں بہت کم عرصہ میں خاص طور پر نور محمد کے بیٹے بڑے بیٹے نے پیرس کے تمام کاروبار سے پوری طرح واقفیت حاصل کر لی ہے اعجاز پیرس میں میں نے ادھر ۳۵ برسوں میں سنو سے زیادہ کتابیں چھپوائیں۔ کسی ایک کتاب کے سلسلے میں کہیں بھی حساب نہیں میں غلط فہمی کی صورت پیدا نہیں ہوئی نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ طباعت کا کام جاری رہا۔ میں اپنا ادبی رسالہ خوشبو کا سفر" اعجاز پیرس میں ہی چھپواتا ہوں۔ پیرس کے مسلسل اشاعت کے چھ سال ہو چکے ہیں اس عرصہ میں ایک شمارہ بھی مقررہ تاریخ کے بعد شائع نہیں ہوا بلکہ مقررہ تاریخ سے ایک ہفتہ پہلے پیرس چھپ جاتا ہے نور محمد صاحب کی وضع داری اور شرافت کے ہمت سے واقعات میں ایک اہم واقعہ یہ بھی ہے کہ نامور کینیئر کاتب محمد جعفر صاحب گذشتہ کئی برسوں سے پیرس کے ایک حصہ میں کثرت کا کام انجام دے رہے ہیں ان کی موجودگی کبھی بھی پیرس کے کاروبار میں حائل نہیں رہی۔ ایک اور نوجوان کاتب محمد یوسف بھی پیرس میں کثرت نگہ تھے ہیں ان کی نسبت کے لیے بھی موزوں جگہ کا انتظام کیا گیا ہے کئی برسوں تک شفیع اقبال نے بھی پیرس کے ایک حصہ میں اپنی نشست

محفوظ کر لی تھی ان کے ساتھ بھی نور محمد صاحب کا تعاون رہا۔ نور محمد ہنس مکھ
 بھی تھے، سنجیدہ مزاج بھی۔ پیرس میں آنے والوں کے مراتب کو ملحوظ
 رکھتے ہوئے محو تکلم رہتے تھے کوئی ایک شخص بھی ان کے پیرس سے غیر مطمئن
 نہیں رہا۔ نہایت ذمہ داری کے ساتھ پیرس کے کام جاری تھے آج بھی جاری
 ہیں نور محمد کے ہبائی ہیں جن کے نام یہ ہیں سید معراج محمد، سید اعجاز محمد
 سید منظور محمد، سید ممتاز محمد۔ ان کے والد محترم جامو عثمانیہ کے مشہور
 استادہ میں شامل تھے ادارہ ادبیات اردو سے بھی ان کا گہرا تعلق تھا
 بانی ادارہ ادبیات اردو ڈاکٹر سید فی الدین قادری زور کے خاص رفیق کار
 تھے جن کی خدمات سے ادارہ نے بہت کچھ استفادہ کیا۔ پروفیسر سید محمد
 صاحب ادارہ کی کمیٹیوں میں شامل رہے۔ انجن ترقی اردو کی سرگرمیوں
 سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ چھتہ بازار میں اعجاز پیرس خاص طور پر اہل علم قدیم و
 جدید حضرات کے لیے ایک مرکزیت کی حیثیت رکھتا ہے اس پیرس میں
 علمی و ادبی اور شعری جمیعوں کے علاوہ سرکاری کام بھی خوش اسلوبی اور ذمہ داری
 کے ساتھ انجام پاتے ہیں۔

میں جب بھی اعجاز پیرس جاتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ نور محمد صاحب
 پیرس میں موجود ہیں نور محمد صاحب میری بے حد عزت کرتے تھے جیسے ہی پیرس
 پہنچ جانا کھڑے ہو کر مجھ سے ملتے۔ میرا احترام کرتے تھے پتہ نہیں میری زندگی
 کا کون سا رخ انہیں پسند تھا نور محمد ان جوں پرگ لوگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اپنی
 زندگی کے تمام پہلوؤں کو آئینہ کا طرح تھا و شفا رکھا۔ خدا اس جیک انسان کی مغفرت کرے

امباجی راوشاد

پولیس آفیسر کی نرم و نازک شاعری

دانشوران شعر و ادب کا یہ کہنا درست ہے کہ ہر انسان کی زندگی پر اس کا ماحول اثر انداز ہوتا ہے۔ انسان چاہے کسی بھی ماحول کا پروردہ کیوں نہ ہو اس کا عکس اس کی زندگی میں مل جاتا ہے۔ اسی لئے بزرگواروں نے کہا ہے کہ ہمیشہ اچھے لوگوں کے ساتھ رہنا چاہیے۔

ایک ایسا شخص جو فطرتاً خوشگوار اور پسندیدہ ماحول سے وابستہ رہا ہو اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ روشنی کا سرچشمہ بنا رہتا ہے۔ امباجی راوشاد بھی ایسے ہی ماحول کے ترجمان تھے جہاں سچائی، ہمدردی، مروت، رواداری اور انسان دوستی کا درس دیا جاتا تھا۔ ان کا بچپن تہذیبی سرگرمیوں سے وابستہ رہا۔ ان کی ذہنی تربیت ایک ایسے روشن دور کی دین تھی جس میں اُجالے ہی اُجالے ہو کر تھے۔ ویسے بھی

نصف صدی پہلے کا حیدر آباد اپنی گونا گوں خصوصیات کے لئے منفرد
 رہا ہے۔ امبا جی راؤ شاد کی زندگی کا ہر دور سرگرم عمل رہا۔ انھیں
 سے جوانی تک اور جوانی کے بعد کے حلوں میں بھی ان کے دل و دماغ
 کو روشنی ملتی رہی۔ امبا جی راؤ سے میری ملاقات میرے دو
 ممتاز گلوکار و ٹھل راؤ کی قیام گاہ پر ہوئی۔ وٹھل راؤ اپنے کسی
 بیرونی ملک کے دورہ کے سلسلے میں مجھ سے ضروری مشورہ کرنا چاہتے
 تھے۔ وہیں پر میری ملاقات کویتا کرن سے ہوئی۔ جوار دو دیکھنا پڑھنا
 جانتی ہیں) کویتا کرن حیدر آباد کی ایک ہونہار باصلاحیت شاعرہ ہیں
 جن کے تاحال چار شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ امبا جی راؤ شاد
 کی دختر نیک اختر ہیں، مجھ سے مشورہ سُن کر کیا کرتی ہیں۔ وٹھل راؤ
 نے کویتا کرن کی شاعرانہ سرپرستی و رہبری کے لئے مجھ سے خواہش
 کی تھی (یہ بات ۱۲ سال پہلے کی ہے) کویتا کرن کی وجہ سے امبا جی راؤ
 صاحب سے میرے مراسم بڑھنے لگے۔ امبا جی راؤ صاحب حیدر آباد کی
 گنگا جمنی تہذیب کی نمائندگی کرنے والے ایک ممتاز شہری تھے۔ پولیس
 ڈپارٹمنٹ میں ایک اہم عہدہ پر فائز رہ چکے ہیں اس کے باوجود
 وہ اپنی شاعری کے لئے وقت نکال لیا کرتے تھے ایک دن انہوں
 نے اپنی کچھ غزلوں کے ساتھ مجھ سے ملاقات کی اور خواہش کی کہ وہ مجھ
 سے مشورہ سُن کرنا چاہتے ہیں امبا جی راؤ صاحب کو اردو زبان سے
 واہانہ و البتگی تھی اچھی طرح اردو دیکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ سطا لہ کا

انہیں بہت شوق تھا۔ اردو کتا میں بڑے شوق سے پڑھتے تھے خاص
 طور پر انہیں شعری ادب سے بہت زیادہ لگاؤ تھا۔ ان کا کلام حب
 میری نظر سے گزرا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنے خیالات و جذبات
 کی ترجمانی کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے جب کچھ غزلیں کہہ لیں
 تو مجھ سے کہا کہ ایک مختصر سا مجموعہ کلام شائع کرنا چاہتا ہوں۔ میں
 نے انہیں مبارکباد دی اور کہا کہ کچھ اور غزلیں کہہ لیجئے مجموعہ کلام شائع
 ہو جائے گا۔ مشورہ سننے کے دوران میں نے ہمیشہ اس بات کا خیال
 رکھا کہ ان کے خیالات کو برقرار رکھا جائے۔ ان ہی کے الفاظ میں اصلاح
 دیتا رہا۔ ان کے شاعرانہ مزاج کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہاں کہیں
 ضرورت محسوس ہوئی میں نے ان کے اشعار درست کئے۔ ان کے تقریباً
 تمام اشعار آسان اردو میں ملیں گے۔ ان کی شاعری سیدھے سادے
 لفظوں اور پُر اثر خیالات کی آئینہ دار ہے۔ ان کی زبان صاف ستھری
 ہے۔ ان کا کلام اردو کے صف اول کے اخبار سیاست میں شائع ہوتا
 رہتا تھا۔ ”خوشبو کا سفر“ میں بھی شائع ہوتا تھا اس مجموعہ کی
 اشاعت نے ان کی بیسوں کی خواہش کو پورا کیا ہے۔ امبا جی راؤ شاد
 چاہتے تو ہندی رسم الخط (دیوناگری) میں مجموعہ شائع کرتے
 لیکن انہوں نے اردو رسم الخط میں اشاعت کو اس لئے ترجیح دی کہ
 وہ اردو ماحول اور اردو تہذیب کے بہت دلدادہ تھے بہت ممکن ہے کہ وہ بعد میں
 اس مجموعہ کو ہندی رسم الخط میں شائع کرتے۔

غزل اردو شاعری میں تمام اصناف میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے ہر نیا شاعر اپنی ابتدائی شاعری کا آغاز غزل سے ہی کرتا ہے امیاجی راؤ شاد کی مغز تیس رواں دواں بحروں میں ہیں بچپن کے زمانے سے لے کر آج تک ان کا ایک بڑا حلقہ اردو دوستوں کا تھا۔ ان کے احباب میں زیادہ تر لوگ اردو زبان سے محبت کرنے والے ملیں تھے۔ امیاجی راؤ شاد ایک کھلے ذہن اور روشن خیال شاعر تھے تب ہی انہوں نے ان کی شاعری میں انسان دوستی، ایسی بھائی چارگی، انصاف پسندی اور وطن پرستی کے خیالات ملتے ہیں شہر کے ادبی حلقوں میں امیاجی راؤ قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے شہر کی منتخب محفلوں میں کلام سنایا کرتے تھے، ۱۹۳۶ء کو محلہ سنگر حق قلعہ گوکندہ (حیدر آباد) میں ایک اوسط طبقہ کے تجارنی خاندان میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اردو میڈیم میں تو مکندہ مستند پورہ اسکول میں ہوئی۔ جیمس کالج میں تعلیم پائی۔ ۱۹۵۲ء میں ایچ ایس سی کامیاب کیا۔ سیف آباد کالج سے انگلش میڈیم میں انٹر میڈیٹ اور عثمانیہ یونیورسٹی سے بی ایس کی کیا۔ ستمبر ۱۹۵۹ء میں سبول سٹریٹ پولیس منتخب ہوئے ۱۹۶۷ء میں سجد آباد پولیس ناگہ میں سب انسپکٹر انسداد ڈر مقرر ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۸۹ء ڈیشنل ایس پی کی حیثیت سے عہدہ پرنسپل ملی۔ ۲۰ جون ۱۹۹۴ء کو ڈیشنل سیرنڈنٹ آف پولیس و طبقہ حسن خدمت پرسکید و ش ہوئے ۱۹۸۰ء میں بل بل بی کا امتحان پاس کیا۔ امیاجی راؤ کبھی کبھی ادارہ میرا شہر میں لوگ، سوغا نظر، ایوان، نسیم، جہاں مجھ کے مشاعروں میں اپنا کلام سناتے تھے امیاجی راؤ کا ایک اور مجموعہ کلام جلد ہی شائع ہونے والا تھا۔

سکندر کی وجہ

خوش با طرحدار دیدہ در شاعر، فاضل راج، ممتاز عثمانی (

ایک ایسا شاعر جو وضع دار بھی ہو، طرحدار بھی، مجاذب نظر بھی ہو،
 رشتہ بھی ہو اور پُر اثر بھی، مسردانہ حسن بھی رکھتا ہو اور عاشقانہ مزاج بھی،
 شاعرانہ طبیعت بھی رکھتا ہو، شائستہ صفات بھی، شائستہ و مہذب بھی ہو،
 ازک مزاج بھی، بقا ست پسند بھی ہو، خوش باش بھی ہو، خوش
 مزاج بھی ہو، اخلاق بھی ہو، پامروت بھی ہو، روادار بھی ہو، پاکیزہ بھی،
 بہت شناس بھی ہو اور صداقت شعار بھی۔ شاہین نگاہ بھی ہو اور بلند
 پرواز بھی، معتبر بھی ہو اور باوقار بھی، دانشور بھی ہو اور دانشمور بھی، ذہین
 فطین بھی ہو اور صاحب فہم، ارادہ رکب بھی، صاحب علم و عرفان بھی ہو اور چشم
 فیض رواں بھی۔ شائستہ پیکی بھی ہو اور مجسم اخلاص بھی، سرگز نگاہ بھی ہو
 و لوق قفل بھی ہو، مہذب شہری بھی ہو، یا اصول انسان بھی، محب وطن ہو
 وطن پرست بھی، شاعر بھی ہو، مقرر بھی، محقق بھی ہو اور تنقید نگار بھی

مبصر بھی ہو اور تجربہ نگار بھی۔ چاہئے والا بھی ہو چاہے جلتے والا بھی عاشق
 بھی اور معشوق بھی۔ مہذب معاشرہ کی عظیم شخصیت ہو کر تھی ہے جس کی
 زندگی کا ایک ایک پل معطر رہتا ہے جس کے ذہن و فکر کی روشنی سارے
 معاشرہ کو آجائوں کی سموات سے سرخوار کر رہی ہے۔ اس طرح کی اعلیٰ خصوصیات
 کی حامل ایک شخصیت میرے ذہن و فکر کے آفاق پر زائد از ۴۴ برس سے جلوہ
 افروز ہے اور اس شخصیت کا نام ہے سکندر علی وجہ۔ جن کے عاشقانہ بانگین
 اور جن کی شاعرانہ کلاہی ان کے ہم عصر تمام شاعروں میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے
 فنون لطیفہ سے رشتہ رکھنے والے نظم کار اپنے اپنے میدان میں ناقابل فراموش کاروائے
 نمایاں انجام سے پہلے ہیں اور اس طرح کے فن کار سلسلہ روز و شب کا ایک اہم حصہ رہتے
 ہوئے اپنے اپنے منصب پر فائز ہیں جن کے علم و ہنر کی شمعیں آندھنیوں
 اور طوفانوں کی زد میں رہ کر بھی روشن ہیں۔ شاعروں میں حضرت امیر خسرو
 لے کر سکندر علی وجہ تک اور ان کے بعد کے شاعروں میں بھی لے کر اسیے شاعر ہیں
 جن کے علم و فن کی روشنی سے مہذب معاشرہ جگمگا رہا ہے (۱)۔ بی شمار ہندو
 شاعروں، فن کاروں میں کچھ منتخب ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے فن کے اداکار ہیں
 جن کے فن کارانہ و ظہارانہ عظمتوں کی خود بخود سارے معاشرہ میں پھیلی ہوئی ہے
 ہر دور میں کچھ ایسے اردو شاعر بھی رہے ہیں جو تاریخ کا ایک اہم حصہ بن چکے
 ہیں جن کی عظمتوں اور فہموں سے علمی و ادبی حلقے کا مقصد آفتاب نکلتے ہیں
 ہر دور میں ہم عصر شاعروں کے فکر و فن کا ایک دوسرے کی شاعرانہ عظمتوں اور
 رفعتوں کا تقابل کیا گیا ہے ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کا موازنہ کیا گیا ہے لیکن کچھ

شاعر ہر دور میں ایسے بھی رہے ہیں جو اپنی منفرد پہچان کے ساتھ تقابل اور موازنہ سے متبرار رہے ہیں۔ ہمارے نقادوں نے بڑے بڑے شاعروں کا تقابل و موازنہ ان کے ہم عصر شاعروں کے ساتھ کیا ہے اس کے باوجود ہر شاعر اپنی منفرد فکر اور اپنی خصوصی شاعرانہ اہمیت کے ساتھ شعری ادب میں محفوظ رہے۔ تجزیہ نگاروں نے اپنے قلم کی جادوگری، سحر کاری اور سیرتاری کے لئے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے لیکن تجزیہ کی ایک منزل پر آکر انہیں ایک حرفِ آخر نے اس فیصلہ پر مجبور کیا ہے کہ ہر فنکار کی اہمیت و عظمت اپنی اپنی جگہ پر مقرر ہے۔

سکندر علی وحید کی شاعرانہ صلاحیتوں پر عصر حاضر کے بہت سے تجزیہ نگاروں نے خامہ فرسائی کی ہے لیکن نتیجتاً اُن کے قلم کی تان اُس مقام پر ہی ٹوٹتی جاتی رہی جہاں فکر و فن کے آئینوں نے تبصرہ نگاروں کی شبیہ کو اپنے میں جذب کر لیا ہے۔ سکندر علی وحید اپنے زمانے کے بیکہ عصر حاضر کے ایک ایسے منفرد شاعر کی حیثیت سے اپنی شناخت بنا چکے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے غزل گو شاعر ہی نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے نظم نگار بھی تھے۔ ایلودہ۔ اجتا اُن کی ایسی شاہکار نظمیں ہیں جن کا ان ۵ دہوں میں کوئی ثانی نہ بن سکا۔ جامو عثمانیہ کی عمارت کی تعمیر کے وقت مزدوروں کے زبان سے یہ بات بھی کہلائی

”کام چھوڑا ہے کہیں نام نہیں چھوڑا ہے۔“

سکندر علی وحید کی شاعرانہ اہمیت و عظمت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لکھا جاتا رہے گا اور ایک ایسا شاعر جو ہمیشہ تجزیہ نگاروں، تبصرہ نویسوں، تنقید پسندوں اور دانشورانِ شعر و ادب کی نظر میں رہا ہو اُس کے فکر و فن پر

لکھا جاتا رہے گا۔ فکر و خیال کے مختلف زاویوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ نظم
 نگاری اور غزل گوئی کا تقابل کیا جاتا رہے گا لیکن ہر مبصر کا آخری جملہ یہی
 رہے گا کہ سکندر علی وجد نا قابلِ فراموش شاعر ہیں۔ اس محترم شاعر نے
 بارے میں یہیں نے تمہیداً ایسے تاثرات پیش کیے ہیں۔ میں نے حتی
 الامکان ان تمام تاثرات کو ضبطِ تحریر میں لایا ہے جو اس شاعرِ ذیشان
 کے شان میں پیش کیے جا سکتے تھے۔ ممتاز عثمانین سکندر علی وجد اپنی
 طالب علمی کے زمانے میں اپنی بھرپور شاعرانہ شناخت کے ساتھ منظرِ عام
 پر آئے۔ جامعہ عثمانیہ کے لائق و فائق سیوتوں میں خصوصی اہمیت کے ساتھ
 یاد کیے جانے والے شاعر سکندر علی وجد بھی تھے۔ اسی دور میں انقلابی شاعر
 خدوم محی الدین صاحب کا بھی طوطی بول رہا تھا لیکن یہ دونوں شاعر اپنی اپنی
 شاعرانہ صلاحیتوں کے ساتھ ادب میں زندہ ہیں۔ سکندر علی وجد کا تین اپنی
 ابتدائی شاعری کے زمانے سے ہی مدارس میں۔ میں نے اپنے شاعرانہ زندگی
 میں بے شمار خوش گلو شاعروں کو سنا ہے لیکن سکندر علی وجد کا ترنم سب سے
 الگ اور اپنی خصوصیتوں کی وجہ سے منفرد تھا۔ ان کی ایک غزل میں نے تقریباً
 ۴۰ سال پہلے یومِ جمہوریہ ہند کے مشاعرے میں سُنی تھی غزل کو آل انڈیا
 ریڈیو پر سننے سے سنی تھی۔ جس کا مرصع مطلع اور ترنم آج بھی میرے حبيب کا آؤں
 میں گونج رہا ہے۔ وہ مطلع ہے۔

وہ آئے مرے پاس کانٹوں پہ چل کے : غم زندگی رہ گیا ہاتھ مل کے
 سکندر علی وجد کا کلام اس مشاعرہ میں حاصل کیلئے مرہ رہا۔ میں نے ہی غزل جاتے

عثمانیہ کے شعبہ اردو کی جو بلی مشاعرہ میں سخی تھی اسی مخصوص نثر نگار کے ساتھ۔ یہ
 مشاعرہ بیٹھ ہی حیدری کلب کے میدان میں نہایت شاندار پہلے پر
 ہوا تھا حیدر آباد کے منتخب شاعروں میں میں نے بھی ایک جو نیر شاعر کی
 حیثیت سے کلام سنایا تھا مشاعرہ کی مدارت علامہ حیرت بدایونی نے کی تھی
 صدر شعبہ اردو پروفیسر غلام عمر خان کتو نیر مشاعرہ تھے۔ سکندر علی وجد صاحب
 سے میری پہلی ملاقات مدراس کے ایک کل ہند مشاعرہ میں ۱۹۴۷ء سے قبل ہوئی
 تھی اس مشاعرہ میں ملک کے تمام اہم شعراء ساحر لدھیانوی، اختر الایمان،
 کیفی اعظمی، سردار جعفری، جگن ناتھ آزاد، سکندر علی وجد اور غالباً حدود ۱۵
 محی الدین اور دیگر نامندہ شاعروں نے کلام سنایا تھا اس مشاعرہ میں میرے
 علاوہ حیدر آباد سے ناصر کر نولڈ نے شرکت کی تھی۔ ان دنوں میر حسن صاحب
 ڈاکٹر کمر آل انڈیا ریڈیو مدراس تھے غالباً ان ہی کی دلچسپی سے ہم دو حیدر آبادی
 شاعر بھی مدعو تھے اس مشاعرہ میں میری اور ناصر کر نولی کی غزلوں کو بھی پسند کیا
 گیا۔ مشہور نقادین عالیشان پمیلے نے پرسیا کیا تھا۔ میں نے اس دور میں اپنے نثر نگار
 کسی اور مشاعرہ میں کلام نہیں سنایا تھا۔ مشہور نقادین کے دائیں جانب شعبہ
 خواتین تھا ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہزاروں خواتین موجود ہیں چلیں اس طرح
 آویزاں تھیں کہ خواتین دکھائی دیتی تھیں۔ اس زمانے میں میں "سیاست" میں
 مختلف شعراء کا کلام دیکھ لیا کرتا تھا۔ مشاعرے کے نمبرے دن سکندر علی وجد
 "سیاست" آفس آئے۔ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب سے ملاقات کی
 عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کا رشتہ سکندر علی وجد صاحب سے عثمانیہ

کی حیثیت سے بھی تھا و جد صاحب، عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کے
 قریبی دوست تھے جب وہ سیاست آئے تو عابد علی خان صاحب نے
 جلسے اپنے اجلاس پر بلوایا اور وجد صاحب سے بہت ہی اچھے انداز میں تعارف
 کروانے ہوئے کہا کہ صلاح الدین تبر حیدر آباد کے نوجوان شاعروں میں بہت
 اچھے شاعر ہیں انہیں سیر نہیں ناسر اور کبھی شاعر آعظم کہہ کر بلاتا ہوں
 میرے ادبی سکریٹری ہیں۔ وجد صاحب سے سلام علیک کے بعد عابد علی خان
 صاحب، وجد صاحب، جگر صاحب اور میں نے چائے پی اور وجد صاحب
 سے ان کا کلام سنا، وجد صاحب کے کلام سننے سے پہلے جگر صاحب نے مجھ سے
 کہا کہ تم پہلے کچھ شعر سناؤ۔ میں نے اپنی غزل کے کچھ شعر سنائے۔ وجد صاحب
 نے حوصلہ افزائی کی۔ وہ اپنی ایک مرقع غزل جس کا مطلع ہے
 وہ آئے مرے پاس کاشٹوں پہ چل کے غم زندگی رہ گیا یا تھک مل کے
 لہک لہک کر سنائی۔ سارا کمرہ وجد آدور ہو گیا۔ بعد وجد صاحب نے میری غزل سننے
 کے بعد یہ مشورہ دیا کہ تمہیں ترقی کرنی ہے انشا اللہ تم ترقی کرو گے لیکن جہاں
 تنگ نظرے مشاعروں میں غزل سننے کی بات ہے کبھی تم ایسی غزل مت سناؤ
 جو ہم قافیہ ہم ردیف ہو۔ یعنی ایسی غزل سننا جس میں قافیہ بھی ہو
 اور ردیف بھی۔ قافیہ اور ردیف والی غزل سامعین کو فی الفور مستوجہ
 کرتی ہے میں نے ان کے مشورہ اور نصیحت کو دل کی گہرائیوں کے ساتھ قبول
 کیا۔ میں کل ہند مشاعروں میں ایسی ہی غزل سناتا ہوں جس میں قافیہ بھی ہوا
 ردیف بھی۔ مدرس کے کل ہند مشاعرہ کے علاوہ ملک کے بعض ایسے کل ہند

مشاعروں میں بھی میں نے شرکت کی ہے جن میں وجد صاحب مدعو تھے۔

ادبی ٹرسٹ کے ابتدائی مشاعروں میں شریک ہوتے رہے ہیں ایک مشاعرہ جو نمائش میدان میں منعقد ہوا تھا جس کی مستند مشاعرہ ڈاکٹر زینت ساجدہ تھیں (ڈاکٹر زینت ساجدہ اپنی منفرد تحریروں اور اپنی بہترین تقریریں صلا جیتوں کی وجہ کافی شہرت حاصل کر چکی ہیں) تقریباً تمام ترقی پسند شاعروں سے واقف تھیں ادبی ٹرسٹ کے اُس مشاعرہ میں ملک بھر کے نمائندہ شعراء نے شرکت کی تھی۔ جب ڈاکٹر زینت ساجدہ نے سکندر علی وجد صاحب کو دعوتِ سخن دی تو انہوں نے ایک بہت ہی عمدہ غزل سنائی لیکن ایک دو شعر پیرا انہیں خاطر خواہ داد نہیں ملی جب وہ مقطع پڑھ کر بیٹھ ہی گئے تھے کہ ڈاکٹر زینت ساجدہ نے یہ شعر پڑھا۔

فقرانہ آئے صدا کر چلے : میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
یہ شعر سنتے ہی وجد صاحب مانگ پر آئے اور ناراض ہو کر کہا کہ مجھے اندازہ نہ تھا کہ ہمارے بعد یہاں اس طرح کا ماحول ہو گیا ہے۔ وجد صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بہت نازک مزاج انسان تھے۔ بقول شخصے ”ناک پیر کھی نہیں بیٹھتے تھیں دیتے تھے۔ انتہائی وضع دار اور طرح دار شاعر تھے وجد صاحب کی شاعری ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گی۔ وجد صاحب نے اپنی شانِ ازلہ زندگی میں غیر معمولی شہرت پائی۔ انہوں نے تا دمِ زینت اپنے شاعرانہ بانچن میں کمی آنے نہیں دی۔ ترقی پسند شاعروں سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ حیدر آباد کے شاعروں میں علامہ حیرت بدایونی، مخدوم علی الدین اور

شاہد صدیقی سے ان کے گھرے روابط تھے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق کی شخصی دلچسپی نے وجد صاحب کی علمی و ادبی زندگی کو ارتقائی منزل سے ہم کنار کیا۔ اپنی قابلیت کی بنیاد پر نرجس سشن جج ہوئے۔ رکن پارلیمنٹ ہوئے وجد صاحب ہندوستان کی شعری و ادبی دنیا میں جتنے مقبول رہے اتنے ہی پاکستان کے ادبی حلقوں میں پسند کیے جانے لگے۔ وجد صاحب کی شاعری ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گی۔ حیدرآباد میں ڈاکٹر سید محی الدین ^{نادر} رور سے بھی وجد صاحب کو بے حد لگاؤ تھا جب کبھی وہ حیدرآباد آتے ادارہ ادبیات اردو (ایوان اردو) میں ان کے خیر مقدم میں مشاعرہ ہوتا تھا۔ حیدرآباد میں ان کا قلم میر ہاشم علی خان کے ہاں زیادہ تر رہتا تھا۔ زندگی کے آخری دن انہوں نے اورنگ آباد میں گزارے۔ سرزمین اورنگ آبار نے سکندر علی وجد اور حمایت علی شاعر جیسے عظیم شاعروں کو جنم دیا۔ ڈاکٹر وجد اختر اور قاضی سلیم اور بشر نواز کانام بھی اسی سرزمین سے جڑا ہوا ہے۔ سکندر علی وجد صاحب کا حیدرآباد میں آمد کے سلسلے میں عابد علی خان صاحب کے دولت خانہ عابد نواز میں بھی محفل مشاعرہ کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ وجد صاحب بوسف تانم کو بھی عزیز رکھتے تھے۔ حیدرآباد میں ہاشم علی اختر، ڈاکٹر منان اور مولوی حبیب الرحمن سے بھی ان کے اچھے مراسم تھے۔ اختر حسن صاحب، ڈاکٹر راج بھادر جھوڑ، ڈاکٹر حسینی شاہد کے علاوہ اور بھی دانشوروں سے ان کی رسم و راہ تھی۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک جامعہ عثمانیہ کی آن بان باقی ہے گی سکندر علی وجد کا نام بھی باقی رہے گا۔

عطا کلیا نوی

(صوفی منش، کم آئینہ، استاد سخن)

ہمارے ادب کی بچہ میں ایک خامی یہ بھی ہے کہ کم آئینہ اور کم نامی کی زندگی گزرنے والے قلم کاروں، فن کاروں اور صاحبِ علم و آگاہی پر بہت کم قلم اٹھایا گیا ہے نہ جانے کتنی نامور ہنسیاں ایسی رہی ہوں گی جو انتہائی صلاحیتوں کے باوجود اپنے وجود کا بھرپور احساس دلانہ سکیں۔ اس میں کچھ تو ان کی افتادِ طبع حائل رہی اور کچھ زمانے والوں کی بے اعتنائی۔ نظر انداز کیے گئے لوگ ہر شعبہ حیات میں ملتے ہیں صرف شعبہ فتون لطیف میں ہی نہیں۔ جب تک ہم میں بے حسی کا فرما رہے گی اس طرح کے احساسات سے ہمیں گزرنا پڑے گا۔ شہروں میں رہنے والے قلم کاروں، ہنرمندوں کو اگر وہ کم آئینہ میں تو کچھ لوگ انہیں منظرِ عام پر لانے کی کوشش کرتے ہیں اور انہیں منظرِ علم پر لاتے کے لیے اپنے نام اور وسائل کو تیر و کار لاتے ہیں۔ ان کی شناخت کے لیے کوشاں رہتے ہیں لیکن افلاک اور مصافات میں رہنے بسنے والے

با صلاحیت لوگوں کی پزیرائی ہر دور میں ایک مسئلہ بنی رہی ہے پاسبانِ فکر و خیال اور اربابِ حل و عقد جن کا شعروادب اور اردو نثر و نثر کی دنیا میں زیادہ اثر ہے ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ گم ناہم اور کم آمیز فلم کاروں کی تلاش کریں۔ اس پس منظر میں حضرت عطا کلیانوی، رشید احمد رشید جیسے قلم کاروں کا نام لینا چاہوں گا جن کے فکر و فن کی ادبی حلقوں میں جتنی قدر کی جانی چاہیے تھی انہیں کی گئی۔ لیکن دیر آید درست آید کے مصداق یہ بات میرے علم میں ہے کہ حضرت عطا کلیانوی اور رشید احمد رشید کی حیات اور کارنامے پیر گلبرگہ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے لیے مقالے لکھے گئے۔ اضلاع کے ان شعاعوں کے علاوہ اور ان کے قرب و حواری کے علاقوں میں کچھ ایسے صاحبانِ قلم و فطاک مل جائیں گے جن پر یہاں سدا رہا فکر و خیال کو نوجہ کرنی چاہیے۔ حضرت عطا کلیانوی بسوا کلیان میں شعروادب کے چراغ روشن کرنے میں سب سے آگے رہے انہوں نے اپنی حیات تک بے شمار مشاعروں کا اہتمام کیا۔ بسوا کلیان میں مشاعروں کا ماحول بنایا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے عطا کلیانوی ان بزرگ قرائع دل اساتذہ سخن میں سے ایک تھے جو نوجوانوں اور قلم کاروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں دلچسپی رکھتے تھے انہوں نے کلیانی میں کئی مشاعروں کی سرپرستی کی۔ عطا کلیانوی سے میری پہلی ملاقات گلبرگہ میں آج سے ۴۴ برس پہلے بٹنی الاوہ میں ہر سال ہونے والے ایک سالانہ تہیۃ مشاعرہ میں ہوئی تھی اسی زمانے میں سرور مرزا، عبدالرحیم آرتو، ڈاکٹر راہی قریشی، سلیمان خلیب اور صابر شاہ آیا ہی سے بھی ملاقات رہی اور ہم نے کئی مشاعرے ساتھ ساتھ پڑھے۔ عطا کلیانوی نے بسوا کلیان میں کئی مشاعرے منعقد کیے۔

بسواکلیان میں حضرت خواجہ تاج الدین یاگ سوار^۱ کے سالانہ عرس شریف
 تقاریب کے سلسلے میں منعقدہ مشاعروں میں میں نے بھی شرکت کی ہے اور
 ۱۲۶۱ ہجری سے حضرت سید احمد شاہ قادری اعجازیؒ کے سالانہ نعتیہ و منقبتی
 مشاعروں میں بھی شرکت کر رہا ہوں۔ بڑے عقیدت و احترام کے ساتھ حضرت
 سید احمد شاہ قادری اعجازیؒ کے مشاعرے ہوا کرتے ہیں اس مشاعرے کے انعقاد کے
 سلسلے میں محمد مخدوم شاہ قادری اعجازیؒ عرف شیخ چاند شاہ آباد کی شخصی دلچسپی کا
 بہت بڑا دخل ہے دنگاہ شریف سے وابستہ گورے میاں بھی کلیدی رول ادا
 کرتے ہیں۔ عطا کلیانوی رباعی کے اہم شاعر تھے اخلاص حیدر آباد کن کے
 مشاعروں میں یہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے بہت عمدہ رباعیات کہی ہیں۔
 عطا صاحب نے کلیان کی تاریخ پر بھی خامہ فرسائی کی ہے ضرورت اس بات کی ہے
 کہ ان کے جوابی کام ادھور سے رہ گئے ہیں ان کو پورا کیا جائے۔ عطا کلیانوی صوفی
 متفق، خدارسیدہ، منکسر المزاج، یا اخلاق و بامروت اور نہایت شریف آدمی تھے
 بسواکلیان کے مشہور وکیل چاندپاشا عطا کلیانوی کے بے حد قدرداں ہیں
 جب کبھی کلیانی کی شعری محفلوں کا ذکر آتا ہے تو وکیل صاحب عطا کلیانوی کی علمی و دینی
 خدمات کا ضرور تذکرہ کرتے ہیں۔ بسواکلیان کے کچھ نوجوان شاعروں، ادیبوں
 کو زبان و ادب سے دلچسپی ہے خدا کرے کہ ان کی یہ دلچسپی برقرار رہے۔ جہاں
 جہاں بھی اردو کے حیرانغ جلوسے ہیں ان کی روشنیاں باقی رہے۔ سرپرستان
 زبان و ادب کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان حیرانغوں کی حفاظت کریں۔ اور ان کی
 لوگوں کو کم ہونے نہ دیں۔ اردو ادب و اردو تہذیب کو نقصان پہنچانے کے لیے

ہر دور میں نیز و تندہوا میں چلتی رہی ہیں آج بھی اس طرح کا ماحول ہے لیکن جو
 چراغ جل رہے ہیں جلتے رہیں گے خدا اُن کا نگہبان ہے یہ بہت سیرانی بات
 ہے کہ عطا کلیا نوئی جب کبھی حیدر آباد آتے تو اُن سے میری ملاقات ہو جاتی تھی
 میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں وہ میری شاعرانہ پہچان کے لیے ہمیشہ متمنی
 رہے۔ ہمیشہ نیک تمناؤں کا اظہار کرتے تھے۔ ان کی شخصی و طبی اور شخصی
 دعوت پر میں نے بسوا کلیان میں بہت سے مشاعرے پڑھے ہیں عطا کلیا نوئی
 صاحب، رشید احمد رشید بیدری کی شاعرانہ قدر و قیمت کے معترف تھے سرور
 مرزا کی شاعری کو بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے حیدر آباد کے سینئر شاعر و
 میں حضرت اوج یعقوبی سے بھی اُن کے مراسم تھے ڈاکٹر سید محمد الدین قادری نذر
 سے اُن کی ملاقات تھی جناب محبوب حسین جگر شیاست میں ان کا کلام شائع
 کرتے تھے۔ عطا کلیا نوئی عمر کے آخری زمانے میں بہت زیادہ اللہ والے ہو گئے تھے
 میرا یہ مضمون اگرچہ کشمنہ ہے ان کی شخصیت کے بعض گوشے
 چھوٹ گئے ہیں لیکن میں چاہتا تھا کہ نذرانہ عقیدت کے طور پر اس کتاب
 میں عطا کلیا نوئی کا بھی نام شامل رہے۔

رشید احمد رشید

(سرزمین بیدار کے نامور شاعر، نماز عثمانین، استادِ شعراء)

مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے ہر علاقے میں کچھ ایسے لوگ بھی رہے ہیں جو اس علاقے کی شہرت میں اضافہ کرنے کے لیے کلبدی رول ادا کرتے رہے۔ یہ لوگ جو سب سے شمار لوگوں میں اپنی منفرد شناخت کے ساتھ معاشرہ کا ایک اہم جز بنے رہے۔ اپنے فن میں اپنے ذہن و فکر کے دائرہ میں کچھ ایسے ناقابلِ فراموش کارنامے انجام دیے ہیں جو تاریخ کا ایک حصہ بن گئے ہیں۔ یا صلاحیت لوگوں سے کوئی حصہ بھی خالی نہیں رہا۔ ایک عالمِ آدمی اور ایک خاص آدمی کی پہچان کے لئے ان کے عادات و اطوار، ان کی صلاحیت و لیاقت اور ان کی سمجھ بوجھ کا جائزہ لیا جاتا ہے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایک شعبہ سے تعلق رکھنے والے دوسرے شعبہ میں بھی اپنی صلاحیتوں کے جوہر اُسی معیار کے ساتھ دکھلا سکے۔ یا ہمیں بعض ایسے شاعر بھی ملیں گے جو بہترین نقاد، محقق اور بہترین مقرر ہیں شاعری کے ساتھ ساتھ نثر نگاری

میں بھی اہنوں نے نام کمایا ہے مثال کے طور پر اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ مرزا غالب جہاں اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے وہیں اعلیٰ درجہ کے نثر نگار بھی تھے جس کا ثبوت ان کے خطوط سے ملتا ہے۔ حرقہ آخر یہ کہ اعلیٰ درجہ کا فن کار مختلف صلاحیتوں کے باوجود کسی ایک فن میں ہی شہرت رکھتا ہے۔ مرزا غالب شاعر کی حیثیت سے ہی آسان کی بلند یوں تک پہنچ گئے ہیں ان تمہیدی جملوں کے پس منظر میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ فنون لطیفہ میں کسی ایک فن کی شہرت کے ساتھ دوسرے فن کی حیثیت ضعیف ہو جاتی ہے فنون لطیفہ میں شاعری کے منصب تک کسی اور فن کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اگر تمام فنون لطیفہ کا جائزہ لیا جائے تو میدانِ ادب میں شاعری ہی ادنیٰ اور اعلیٰ دیکھائی دیتی ہے حیدر آباد دکن کے علاقوں میں شہرے ہیٹھ آراء ضلع حیدر آباد دکن میں بھی بہت سے نامور شاعر و ادیب گزرے ہیں اس وقت بھی بعض قلم کار ایسے موجود ہیں جو شعر و ادب کی دنیا میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور احساس دلا رہے ہیں حیدر آباد دکن کے اضلاع میں ضلع حیدر میں مختلف فنون میں شہرت رکھتا ہے۔ غیر معمولی صلاحیت رکھنے والی شخصیتوں نے سرزمینِ بیدر کو اپنے علم و فن سے مالا مال کیا ہے بیدر میں جہاں تک اردو شعر و ادب کا تعلق ہے کئی اہم قلم کاروں نے ادبی دنیا میں نام کمایا ہے جن میں ایک اہم نام رشید احمد رشید کا بھی ہے جب میں شعر و ادب کی دنیا میں قدم رکھا تو اُس دور میں یعنی ۴۰ سال تک بنگلہ دہلی میں جہاں میں نے حیدر آباد اور اضلاع حیدر آباد

کے بہت شاعروں، ادیبوں سے واقفیت حاصل کر لی ان میں ایک اہم نام رشید احمد رشید کا بھی تھا۔ میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں بیدار کے شاعروں میں صرف اور صرف رشید احمد رشید ہی ایک اہم شاعر تھے ان کے بعد رئیس اختر (جن کا وطن بیدر ہے) اور محسن کمال نے شعر و ادب کی دنیا میں اپنی پہچان بنالی تھی۔ ان دنوں بیدر کی ایک ذہین و فطین شاعرہ ریحان بیگم بیدر کی ادبی تاریخ میں پہلی صاحبِ حق شاعرہ کی حیثیت سے شہرت رکھتی ہیں۔ اس علاقہ سے تعلق رکھنے والی ایک اور ادیبہ ڈاکٹر شفیعہ قادری بھی ہیں جن کی تین کتابیں تعارف (۱۹۸۶ء) حیدرآباد کے علمی و ادبی ادارے اور اردو تحریک آزادی سے قبل (۲۰۰۰ء) شائع ہو چکے ہیں ریحان بیگم کا پہلا مجموعہ کلام پہلی کمن ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔ ان کا دوسرا مجموعہ کلام آئنگن آئنگن پھول کے نام سے حال ہی میں منظرِ عاقد چکاس ہے بیدر کی ایک ذہین طالبہ شہناز بھی افسانہ نگار کی حیثیت سے منظرِ عام پر آ چکی ہیں بہت ممکن ہے کچھ اور قلم کاری بھی ہوں گے جن کی پہچان نہ بن سکی یا جنھوں نے اپنی پہچان کھسے کو لادھپی نہیں لی ہو۔ بیدر کی سرنیہ بن کا نام روشن کرنے والے بین الاقوامی شہرت یافتہ شاعر رئیس اختر گذشتہ ۴۴ برسوں سے خاص طور پر حیدرآباد کی شعری و ادبی دنیا میں اعلیٰ مقام کے حامل ہیں جن کا شعری و ادبی سفر پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے حضرت رشید احمد رشید، رئیس اختر کے پہلے استاد ہیں جن کی سرپرستی میں ہوں۔ انہوں نے اپنے شعری سفر کا آغاز کیا۔ بعد میں انہوں نے شاید مدتی اور خورشید احمد جانی

جیسے جدید اساتذہ سخن سے مشورہ سخن کیا۔ رئیس اختر اپنے پہلے استاد کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ رشید احمد رشید، جامعہ عثمانیہ کے نامور نظم نگار شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مخدوم محی الدین، سکندر علی و جید کے ہم عصر تھے اس دور میں جامعہ عثمانیہ کے شاعروں میں رشید احمد رشید نے کافی شہرت حاصل کی تھی۔ جامعہ عثمانیہ کے نامور طلباء اشفاق حسین میر حسن، عابد علی خان اور محبوب حسین جگر کے علاوہ ہاشم علی اختر، ان کی مشاعرہ صلاحیتوں کو خراج پیش کیا کرتے تھے۔ رشید احمد رشید نے مختلف اصناف سخن میں اپنی قابلیت و صلاحیت کے جوہر دکھلا دیے ہیں لیکن نظم گوئی ان کا خاص میدان ہے بہت زود گو شاعر تھے مزاج بھی شاعرانہ پایا تھا انہیں بہت عینیت سے عشق تھا پان بہت کھاتے تھے مزاج بھی شاعرانہ پایا تھا رشید احمد رشید سے میر کی ملاقات رئیس اختر کے توسط سے ہوئی تھی وہ ہم دونوں کی شاعرانہ شہرت سے بہت خوش ہونے لگے اور کہنے لگے تھے کہ تم دونوں ہمارے علاقے (بیدر) کے ادبی سفیر ہو، ادبی حلقے واقف بنیں کہ حیدر آباد دکن کا ایک تعلقہ ہوتا یا دیر اوطن ہے جس کا صلح بیدر ہے رشید احمد رشید کے شاگردوں کے بارے میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اُس دور کے جتنے لوگ بھی شعری ادب سے تعلق رکھتے تھے وہ رشید احمد رشید سے استفادہ سخن کرتے رہے ہیں۔ میں نے رشید احمد رشید کے ساتھ حیدر میں کئی مشاعرے پڑھے ہیں گلبرگ، اللہ، ظہیر آباد، سنگاریڈی، رانچور کے شاعروں میں بھی شریک رہا ہوں جب کبھی ان سے ملاقات ہوتی وہ اپنی

نیک تمناؤں اور دعاؤں سے سرفراز کرتے تھے۔ ایک زمانے میں (۳۰ برس پہلے) بیدری میں بہت مشاعرے ہوتے تھے رئیس اختر نے بھی اپنی انجمن دیارِ ادب کے زیرِ اہتمام بڑے بڑے مشاعرے منعقد کیے تھے اس زمانے میں مشاعروں کی سرپرستی کرنے والوں میں حکیم مرزا محمد بیگ افسر سب سے آگے رہتے تھے بلکہ اکثر دفعہ وہی مشاعروں کا انصرام کرتے تھے بیدر کے مشاعروں میں حیدر آباد کے نامور شعراء مخدوم حمی الدین اوج یحقوقی، سلیمان ارباب، خیرات ندیم، ابن احمد تاب، طالب زاتی کنول پر شا دکتول وغیرہ بھی مدعور ہتے تھے اکثر مشاعروں میں بھی مدعور رہا ہوں۔ بیدر کے مشاعروں میں عطا کلیا ٹوی، سلیمان خیل، سرور مرزائی، صاحب شاہ آبادی، عبدالرحیم آرزو اور ڈاکٹر راہی قریشی اور حکیم جمالی بھی مدعور ہتے تھے۔ رشید احمد رشید صاحب حیدر آباد کے بعض مشاعروں میں مدعور ہے یہی حیدر آباد کے مشاعروں میں بھی ان سے ملاقات رہتی تھی۔ جب گھمبی وہ حیدر آباد آئے تو اپنے جامع عثمانیہ کے ساتھیوں غلام علی پور، عابد علی خان اور محبوب حسین جگر سے سیاست آفس میں ملاقات کرتے۔ حیدر آباد میں سابق وائس چانسلر جامع عثمانیہ و مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہاشم علی اختر (جو ان دنوں امریکہ کے شہری بن گئے ہیں) نامور صحافی اختر حسین اور مشہور طنز و مزاح نگار رشید قریشی بھی ان کے خاص دوستوں میں شامل تھے کانگریسی لیڈر جے ایچ ایم پی ایم بیگم باگاریڈی جنھوں نے بیدر سے میرٹھ کیا اور جو نالہیر آباد کے منوطن ہیں اپنے بزرگوں کی طرح رشید احمد رشید کی قدر و

منزلت کرتے رہے۔ ظہیر آباد کے نامور شاعر حکیم جالی سید بھی ان کی اچھی خاصی رسم و راہ تھی۔ رشید احمد رشید حیدر سہادین ہاؤسنگ بورڈ کے آفس میں بھی ملاقات ہوتی تھی جہاں رئیس ختر بے سر خدمت نفع بعض دفعہ ہم تینوں (رشید احمد رشید، رئیس ختر، صلاح الدین تیر) ایک ساتھ بیٹھ کر بات کرتے۔ پانچ کے لیے شاہ بازار ہوٹل (ناپولی) ان کی پسندیدہ ہوٹل تھی۔ رشید احمد رشید زندگی کے آخری دنوں میں بھی معاشی پریشانیوں میں مبتلا رہے ویسے ان کی زندگی کا بیشتر حصہ معاشی الجھنوں کا شکار رہا۔ رشید احمد رشید کا ایک مجموعہ کلام فہم آبرو کے نام سے شائع ہوا ہے کچھ عرصہ پہلے استاد اُردو شموگہ یونیورسٹی ڈاکٹر حنیف سیٹھی نے رشید احمد رشید حیات اور کارنامے کے مضمون پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے یہ کام ڈاکٹر رزاق فاروقی صدر شعبہ اُردو گلبرگ یونیورسٹی کی شخصی دہی سے ہوا۔ جب تک سرزمین بیدر میں خاص طور پر شعری و ادبی خدمات کا سلسلہ جاری رہے گا رشید احمد رشید کا نام بھی قدر و منزلت کے ساتھ لیا جاتا رہے گا۔ ہماری یہ ادبی و اخلاقی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کو خراج پیش کش کرتے رہیں چاہے ان کا تعلق کسی شعبہ حیات سے کیوں نہ ہو۔

دامودر زدی ٹھاکر

(کوڑنگل کے نامور کہنہ مشفق شاعر)

دنیا کی کوئی زبان کیوں نہ ہو وہ کسی ایک خاص قوم، کسی خاص قبیلے، کسی خاص فرد کی میراث نہیں ہوتی، اگرچہ صدیوں سے کچھ لوگ کسی ایک مخصوص زبان سے نسلاً در نسل واسطہ رکھتے ہیں۔ عربی، فارسی، سنسکرت اور دیگر زبانوں کے عالم و فاضل لوگ بھی اتنی اچھی انگریزی بولتے اور لکھتے ہیں کہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ ان کی مادری زبان ہے جہاں تک ہندوستان اور ہندوستانی زبانوں کا تعلق ہے ملک کی تمام زبانوں میں اردو ہندی بلکہ ہندوستانی اہم اور رابطہ کی زبانیں ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ ہندی کے مقابلے میں اردو زبان رابطہ کی زبان ہے یہ بھی صحیح ہے کہ ہر دور میں کسی ایک خاص زبان کا زیادہ چلن رہتا ہے ملک کی آزادی سے پہلے مسلم و غیر مسلم لوگوں میں بے شمار ایسے لوگ بھی تھے جو فارسی زبان سے بہت زیادہ واقف تھے اور فارسی زبان سے واقفیت ان کے لیے ایک طرہ امتیاز تھا لیکن ملک کی

تقسیم کے بعد فارسی کا چلن رفتہ رفتہ ختم ہو تا چلا گیا اب تو یہ حال ہے کہ فارسی جاننے والے بہت کم ہندوستانی رہ گئے ہیں تھی نسل کا تو اب یہ حال ہے کہ وہ اپنی مادری زبان سے بڑھ چڑھ کر انگریزی سے دلچسپی رکھتی ہے اردو زبان سے قربت رکھنے والے بہت سے ایسے لوگ ہیں اور میں جنہیں اردو سے وابہانہ وابستگی رہی ہے (دبستانی ہے) جن کے علمی و ادبی کام کچھ اس قدر شاندار ہیں کہ ان کے نام اور ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اس وقت بہ قید حیات غیر مسلم دانشوروں میں پروفسر حکن ناتھ دادا، پروفیسر گیان چند جین، پروفیسر گوپی چند نارنگ اور ان جیسی قدآور شخصیتوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے تذکرہ کے بغیر اردو زبان و ادب کی افادیت ناممکن سمجھی جاتی ہے اس طرح کے مثلاً پیر اردو سے حیدر آباد دکن کسی بھی دور میں خالی نہیں رہا۔ اس طرح کے باکمال لوگ صرف حیدر آباد کی حد تک ہی محدود نہیں تھے بلکہ اضلاع آندھرا پردیش اور اضلاع حیدر آباد دکن میں بھی رہے ہیں۔ وہاں کے قلم کاروں نے بھی اردو زبان و ادب کی غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اگرچہ اس کی رفتار بہت کم ہو چکی ہے حیدر آباد دکن کے ایک قدیم تحفہ کوڑنگل کے ایک نامور شاعر دامودر کی شجہ کوڑنگل تاریخ ادب اردو کبھی بھی نہیں بھلا سکے گی۔ کوڑنگل کی سرزمین نے بہت سے نامور شخصیتوں کو جنم دیا ہے لیکن ادھر ۳۵ برسوں میں جو نام ہر شعری و ادبی حلقوں میں خصوصیت کے ساتھ لیے جاتے ہیں۔ ان میں ایک نام خلیل الرحمن سائق ایم پی اور ممتاز شاعر محب کوڑنگل بھی ہے میں دامودر کی

سے شخصی طور پر بہت کم واقف ہوں البتہ میں اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں اُن کے نام سے واقف ہو چکا تھا مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ان کی شاعرانہ عظمتوں کے کہاں کہاں چرچے ہیں کن کن ادبی حلقوں میں ان کے نام کا شہرہ ہے دامودرذکی ٹھاکر کو فارسی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں نے انھیں کوڑنگل کے ایک عظیم الشان مشاعرے میں دیکھا اور سنا تھا جو اُن کی ادبی اور شعری خدمات کے اعتراف میں منعقد ہوا تھا اُس جشن دامودرذکی ٹھاکر میں حیدر آباد کے تقریباً ۲۵ شاعروں نے شرکت کی تھی جن میں سینیئر شعراء کے ساتھ جو نیر شاعر بھی مدعو تھے جو نیر شاعروں میں راقم الحروف بھی شامل تھا حیدر آباد کے شاعروں کی قیادت کا ذمہ داری ممتاز اشاعر کنول پرشاد کنول کو سونپی گئی تھی۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ کنول پرشاد کنول صاحب ایک بیڑی ٹورسٹ موٹر میں ہم تمام شاعروں کو اپنے ساتھ لے گئے تھے شایانِ شان پیمانے پر جشن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ دامودرذکی صاحب کے بہت سے شاگرد رہے ہیں ان کے تمام شاگردوں میں محب کوثر زیادہ نمایاں ہیں۔ محب کوثر اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں تقریباً ۱۳۴۱ء میں نک دامودرذکی صاحب سے شاعرانہ سرپرستی حاصل کی۔ محب کوثر کی شاعرانہ تربیت میں اُن کی استادانہ سرپرستی کا بہت بڑا دخل رہا ہے ان کے بعد محب کوثر صاحب ڈاکٹر علی احمد جلیلی سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ دامودرذکی ٹھاکر ۲۰ اپریل ۱۹۰۳ء کو کوڑنگل (ضلع محبوب نگر) میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد کا تعلق بٹریل ضلع

رہتا گیری کے دشیمکھ فاندان سے تھا فاندانی رقابتوں کی وجہ آپ کے والد
 کیشورام پرت اور چچا باجی راؤ، اندور، گوایا، جھانسی وغیرہ سے ہونے
 ہوئے تلامذہ معاش میں حیدر آباد آئے۔ آپ کے چچا کوڑنگل پر اور
 آپ کے والد جنچول پر یہ حیثیت گرد اور مستعین کیے گئے۔ ۱۹۵۸ء میں
 جبکہ ذکی صاحب کی عمر صرف ۵ سال کی تھی ان کے والد کا سایہ اٹھ گیا۔ ذکی
 صاحب کی تعلیم و تربیت آپ کے چچا کی نگرانی میں کوڑنگل میں ہوئی۔ ابھی
 ذکی صاحب پانچویں جماعت ہی کے طالب علم تھے کہ مولوی اسماعیل شریف
 صاحب آزل کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ تقریباً دو سال تک فنی عروض
 سیکھتے رہے جب حیب احمد ذکا کے پوتے حیب اللہ وفادرس بن کر
 کوڑنگل آئے تو ذکی صاحب نے حضرت وفا سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ تعلیم تم
 کرنے کے بعد ذکی صاحب سررشتہ تعلیمات سے وابستہ ہو گئے اور دوران
 ملازمت لاہور سے منشی فاضل کا امتحان امتیازی حیثیت سے کامیاب کیا
 ۱۹۵۸ء میں کوڑنگل ہائی اسکول سے ذلیف حسن خدمت پیرسکندرش ہوئے
 ذکی صاحب کا بغیر مطبوعہ کلام پولیس ایکشن سے قبل نلنگہ میں مقامی ہنگاموں
 کے دوران نذر آتش ہو گیا بعد کا کلام بھی ۱۹۶۱ء کو سفر کے دوران تانڈور
 ریلوے اسٹیشن پر گر ہو گیا۔ ۱۹۶۶ء میں ان کا پہلا مجموعہ حکلم سفینہ ذکی
 اور ۱۹۷۱ء میں دوسرا مجموعہ کلام زاج شائع ہوا۔ ذکی صاحب کی شخصیت
 اور فن پر جامو عثمانیہ کے ایک طالب علم باسط خان نے زیر نگرانی ڈاکٹر سید
 محمد قاضی ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۷۶ء کو کوڑنگل میں

۳۷ برس کی عمر میں رحلت کر گئے۔ (اقتباس: فرساده نوٹ۔ محب کوثر)
 جشن تقاریب کے دوران میں نے محسوس کیا کہ داسودرذکی صاحب
 کو اردو زبان و ادب سے بے حد لگاؤ ہے کوثر نگلی ہیں داسودرذکی کی
 زندگی تک شعر و ادب کی محفلیں کچھ زیادہ ہی ہوا کرتی تھیں لیکن اب غالباً
 کسی بھی قسم کی ادبی سرگرمیاں جاری نہیں ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ
 کوثر نگلی کے لوگ جو اردو زبان اور اردو شعر و ادب سے دلچسپی رکھتے ہیں
 اس توکل کو دور کریں۔ محبوب نگر کے ممتاز شاعر نور آفاقی کے علاوہ
 رحمت کوثر اور حفیظ کبیر بھی ان کے شاگرد رہے داسودرذکی کے کلام
 کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہے کہ جہاں انہوں نے معیاری غزلیں کہی ہیں وہیں
 عمدہ رباعیات بھی کہی ہیں۔ ذکی صاحب کا نعتیہ کلام بھی پُر اثر ہے تاریخ گوئی
 میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اقلیدہ کمر نائک کے ان کے ہم عصر شعروں میں عطا
 علی نقوی، رشتید احمد رشتید، سرور مرزائی کا نام لیا جاتا ہے ویسے صابر شاہ آباد
 سے بھی شاعرانہ رسم و راہ تھی۔ داسودرذکی جیسے بغیر سلم شعراء کرام کو تاریخ
 ادب اردو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

سرور مرزائی

(قلندر مزاج - بے نیاز شاعر)

معاشرہ میں وہ لوگ جو سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی سب کے ساتھ نہیں رہتے۔ سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی سب سے ہٹ کر رہتے ہیں منفرد شخصیت کے حامل رہتے ہیں ایسے لوگوں کی فکر، سوچ اور روش سب سے الگ رہتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس طرح کے لوگ جو خود اپنے ساتھ زیادہ رہتے ہیں وہ معزور ہوتے ہیں اور اپنی ذات میں ہی گم ہوتے ہیں جبکہ وہ فطرتاً مزاجی کچھ بیاپاتے ہیں کہ وہ ہم میں رہتے ہوئے ہم میں شامل نہیں رہتے۔ سرور مرزائی کا حال ہی کچھ اسی طرح کا تھا اپنے دور کے نامور صوفی شاعر تھے مجھے ۱۳ سال پہلے گلبرگہ کے مشاعروں میں ان سے ملاقات کا موقع ملتا رہتا تھا حضرت عطا کلیائی، صاحبزادہ آبادی ان کے قریب ترین احباب میں شامل تھے سرور مرزائی صاحب سے گلبرگہ میں سید احمد قادری کے زیر انتظام منعقدہ بٹی الادہ کے سالانہ کل ہند مشاعرہ میں لازمی طور پر ملاقات ہوتی تھی۔ مجھے یاد

ہے کہ سرور مرزائی صاحب سے میری ملاقات حضرت عطا کلیا نوئی کی معرفت ہوئی تھی سرور مرزائی صاحب کو زیادہ قریب سے محسوس کرنے والے شاہ آباد کے ایک مقبول شاعر صابر شاہ آبادی بھی تھے جو ان دنوں سینئر و بزرگ شاعروں کے مقابلے میں جو میر تھے مگر ان دونوں (عطا کلیا نوئی، سرور مرزائی) سے بے تکلفانہ گفتگو روا کرتے تھے صابر صاحب بذلہ سنج ہی نہیں تھے بلکہ وہ رکھ بڑھکھا اور سے یہ احساس دلاتے تھے کہ وہ محفل میں موجود ہیں۔ میں نے گلبرگہ سیدر، کلیانی کے مشاعروں میں ان تین شاعروں کو ساتھ ساتھ دیکھا ہے طبائع مختلف ہوتے کے باوجود وہ آپس میں ہم خیال تھے صابر شاہ آبادی ایک رواں دواں شخصیت کے حامل تھے لیکن عطا کلیا نوئی اور سرور مرزائی ایک رک کر راستہ طے کرنے والی صوفیانہ مزاج کی حامل شخصیتیں تھیں۔ حضرت عطا کلیا نوئی رباعی کے ایک اہم شاعر تھے ان کی شاعری میں زیادہ تر صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے سرور مرزائی بھی اپنے استاد عطا کلیا نوئی کے رنگ میں شعر کہتے تھے لیکن ان کا بشاعرانہ مزاج بالکل الگ محسوس ہوتا تھا۔ سرور مرزائی کی شاعری کی زبان اتنی عام فہم نہیں تھی کہ سننے پڑھنے والے داد دینے کے موقف میں رہیں ان کی شاعری غور مکر کی دعوت دیتا تھا ان کے اشعار گہری منعویت لیے ہوئے ہوتے ہیں فارسی، عربی الفاظ کی آمیزش نے انھیں ایک مشکل پسند شاعر بنادیا۔ سرور مرزائی نے اپنی منفرد شاعرانہ روش کو باقی رکھا۔ ان کے شاعرانہ مزاج میں کسی بھی قسم کی تندی نہیں ہوئی۔ اسانڈہ سخن میں ان کا شمار ہوتا تھا مشاعروں میں ایک مجذوب شاعر کی طرح آتے تھے کہ تمام شعراء کی نظریں ان پر جم جاتی تھیں۔

دل و دماغ کو جھنجھوڑنے والی ان کی ادق شاعری خاص طور پر کلاسیکی رنگ میں
 رنگے ہوئے شاعروں اور سامعین کے لیے ہوتی تھی عام آدمی کے لیے نہیں۔ بہت
 کم شعراء اور عوام سے داد و تحسین حاصل کرتے تھے لیکن وہ بے نیاز رہتے تھے۔
 یہ کیا کم اعزاز کی بات ہے کہ علمی و ادبی حلقے ان کی شاعرانہ عظمت کے مغزوف
 تھے آج بھی ان کی شاعری کے سامع اور قاری باقی ہیں جو ان کے لب و لہجہ کے مداح
 ہیں تھے سرور مرزا کی شاعری ہمیشہ پسند آئی۔ ان کے بعض شعر کچھ زیادہ ہی
 توجہ جیسا ہے تھے گلبرگہ کے مخصوص حلقوں سے ان کی وابستگی تھی مثلاً وہ
 اور ادبی حلقوں کا گہما گہما ہی سے دور رہتے تھے فالقہا ہی نظام سے دبستگی رکھتے تھے
 انہیں مذہبی علوم و فنون سے خاصی دلچسپی تھی۔ زندگی کے آخری دنوں میں ایک صوفی
 منس اور مجذوب صفت خصوصیات کی حامل شخصیت بن گئے تھے سرور مرزا کی
 نفیس، بااخلاق، شریف انسان تھے سرور مرزا مجھ سے اتنے قریب نہیں تھے
 جتنے عطا کلیا نوئی اور صابر شاہ آبادی تھے لیکن ان کی شاعرانہ عظمتوں نے مجھ
 محصور کر دیا تھا۔ مجھے ان کی قربت کا احساس ہوتا تھا محسوس ہوتا تھا کہ دور
 رہ کر بھی نزدیک ہیں۔ ان کا میرا رشتہ دوستی کے شعر و ادب سے زیادہ تھا ایسا کلیان
 میں حضرت عطا کلیا نوئی کے زیر اہتمام شاعروں میں ان کی شرکت لازمی رہتی
 تھی دونوں میں استاد و شاگرد کا ایک ایسا ایلوٹ رشتہ تھا کہ بعض مضامین
 سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایک ہی ذہن کی دین ہیں۔ عطا کلیا نوئی کی شاعرانہ زبان
 سلیس اور آسان لیکن سرور مرزا کی شاعری کو سمجھنے کے لیے بہت زیادہ متوجہ
 ہونا پڑتا ہے سرور مرزا کی اپنے سے جو نیر شاعروں سے مستفاد دوسرے پرستانہ

سلوک روا رکھتے تھے محبوب کو شہر اور رزاق اثر ان سے جو نیر شاعر ہیں لیکن ان کے کلام کو برسرِ مشاعرہ سراہتے تھے۔ سرور مرزائی اچھے شعر پر کھل کر داد دیتے تھے طبیعت میں سنجیدگی ہونے کی وجہ سے دورانِ مشاعرہ یہ کم ممکن ہوتا تھا کہ وہ محفل کے روح رواں ہیں سب نیر شاعروں کے ساتھ رہتے اور شاعرانہ وقار کے ساتھ اپنی مخصوص نشست پر بیٹھے رہتے۔ سرور مرزائی تخت میں کلام سناتے تھے۔ بٹلی والا وہ کے نحتیہ مشاعرہ کے داعی جناب سید اختر قادری کے دولت خانہ پر نہایت محکوم کے ساتھ یہاں شعراء کے ناشتہ کا انتظام رہتا تھا سرور مرزائی، عطاء کلیا نوری، صابر شاہ آبادی کے ساتھ ساتھ رافق الحروف اور حیدر آباد کے بعض شاعر بھی رہتے تھے ان نعتیہ شاعروں میں اس دور کے یعنی ۲۵ برس پہلے کے اقلع کے شاعروں میں رشید احمد رشید (بیدار) اور حکیم جمالی (ظہیر آباد) بہت کم دکھائی دیتے تھے برخلاف اس کے میں نے بیدار اور ظہیر آباد کے اکثر شاعروں میں بھی عطاء کلیا نوری، سرور مرزائی اور صابر شاہ آبادی کو شرکت کرتے دیکھا ہے۔ ان کے ساتھ کلام سنایا ہے ان شعراء کو نام سے میرا شاعرانہ رشتہ تقریباً ۴۰ برس پہلے سے قائم ہے کلیانی میں حضرت تاج الدین باگ سوار کے شاعروں میں میں نے شرکت کی ہے ان شاعروں میں سرور مرزائی شرکت کرتے تھے اور ایسے مشہور جو عرس شریف تقاریب سے ہٹ کر عام دلوں میں بھونٹتے تھے ان شاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں عطاء کلیا نوری کی دلچسپی کو بہت زیادہ دخل رہنا۔ ظہیر آباد کے شاعروں میں حکیم جمالی داعی محفل رہتے جو بزم سخن ظہیر آباد کے بانی اور کرتادھر تھے۔ مشاعرہ کا سارا انتظام ان کے زیر اثر رہتا تھا۔ سرور مرزائی کسی کانچ میں زیرِ تعلیم

نہیں رہے۔ لیکن کثرت مطالعہ نے انہیں مختلف علوم و فنون سے واقف
 کروایا۔ سرور مرزاؒ کا نام محمدستان علی ہے لیکن ادبی حلقوں میں سرور مرزاؒ
 کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ صوفی عین اللہ شاہ کے نام سے بھی ایک مخصوص
 حلقے میں ان کی پہچان ہے صوفیانہ رنگ میں ڈوبے ہوئے لوگ ان کے ہم راہ
 تھے۔ ۲۲، ڈسمبر ۱۹۲۳ء کو ضلع ملوچ پیٹ تعلقہ چنولی ضلع مگبرگر میں پیدا
 ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ضلع پیٹ میں ہوئی۔ منقہ تعلیم کا ڈپلوما رکھتے تھے منشی
 کامیاب تھے فارسی، مرہٹی اور ہندی سے کما حقہ واقفیت رکھتے تھے انگریزوں کا
 تلگو سے بھی واقف تھے فلپگر میں شعبہ دستکاری میں سہم تھے ان کی بعض کتابوں پر
 ایوارڈز مل چکے ہیں۔ شاعری کی ابتداء ۱۹۲۲ء سے ہوئی۔ حضرت عطا کلیا توڑی
 سے انہیں شرف تلمذ ہوا رہا۔ اساتذہ کفن کا کلام ہمیشہ زیر مطالعہ رہتا تھا۔
 مرزا غالب کا رنگ ان کی شاعری میں جھلکتا ہے حضرت دامودر زکی جو ریاض
 کے مشہور شاعر تھے ان کے ہم عصر تھے نوجوان شعراء میں محب کوثر ان کے پسندیدہ
 شاعر تھے حیدر آباد کے شاعروں میں اوج بجقوی کی شاعرانہ قدر و منزلت کو
 پورے عقیدت و احترام کے ساتھ تسلیم کرتے تھے ان سے اچھے دوستانہ مراسم تھے
 حیدر آباد کے بعض مشاعروں میں کلام سنا چکے ہیں جب کبھی سرور مرزاؒ حیدر آباد آتے
 تو اوج بجقوی صاحب سے لازماً ملاقات کرتے۔ ۳۳ سال تک ملازمت کی
 یکم دسمبر ۱۹۷۵ء کو حسن خدمت پریسکد کوش ہوئے۔ ۱۰ اگست ۱۹۸۶ء کو
 انتقال ہوا۔ سرور مرزاؒ کے شعری مجموعوں کے نام یہ ہیں نمشتر الدنابیل ۱۹۶۷
 سجاد نامہ ۱۹۸۲ء شیون احمدی ۱۹۸۶ء فرما والرشاد ۱۹۸۶ء پند و پیغام۔

اس کے علاوہ ان کی دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں۔ عمدہ قلعہ۔ لمحات و ظلمات
 تین کتابیں غیر مطبوعہ بھی ہیں جن کے نام یہ ہیں قاعدہ دفن عروض (مافی الضمیر
 عرفانی قطعاً) اور پینچ رس۔ سرور مرزائی عالم عروض کے ماہرین ہیں
 شمار ہونے لگے تھے اس بات کا اندازہ یہ ہے کہ شاعری میں ان کے کون کون
 شاگرد ہیں۔ زندگی کے آخری دہے میں وہ سب سے الگ الگ رہا کرتے
 تھے یعنی کم آ میرز شخیصت ان کے تھے مشاعروں میں بھی کم کم شرکت کرتے تھے۔
 بزرگانِ دین کے عقیدت مند تھے مذہبی تعلیمات سے بہرہ ور تھے سرور مرزائی
 علی گڑھ کے اُن علم دوست، انار سخن میں شمار کیے جاتے ہیں جن کا نام گلبرگ
 کی شاعری و ادبی تاریخ میں موجود رہے گا جہاں کہیں ان کی شاعرانہ عظمتوں
 اور ان کے فکر و فن کا جائزہ لیا جائے گا مبصرین اس بات کو ضرور یاد رکھیں گے
 کہ سرور مرزائی سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی سب سے الگ نہ رہتے تھے۔

صَلَاتِ محبوبِ سنگری

(شعرانواز شخصیت، دلدادہ شعردہ سخن)

آئندہ اس پریشی کے اضلاع تلنگانہ میں خاص طور پر کچھ اضلاع میں ایسے شاعر بھی گذرے ہیں اور موجود ہیں جو وسائل نہ ہونے کے باوجود بھی شعروادب کی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں دلچسپی لیتے رہے۔ جہاں کہیں بھی شعردادب کے لیے ماحول سازگار ہو وہاں مشوری محفلوں اور بڑے مشاعروں کا اہتمام کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں رہتا۔ مشکل وہاں ہوتی ہے جہاں وسائل بھی کم ہوں اور لوگوں کو مشاعروں سے کوئی خاص دلچسپی نہ ہو۔ جہاں چراغ جل رہے ہوں وہاں چراغوں کی حفاظت آسان ہے لیکن وہاں چراغوں کی حفاظت مشکل ہے جہاں ہواؤں کی زد میں چراغ رہتے ہیں۔ ناسوانق حالات میں شعروادب کا کام کرنا ہمت والوں کا کام ہوتا ہے اور یہ کام ایسے ہی لوگ کرتے ہیں جو زبان وادب کی خدمت کا جذبہ صادق رکھتے ہیں بعض ضلعوں میں شعروادب کا ماحول سازگار ہے جن میں سے ایک محبوب نگر بھی ہے جہاں آج بھی محفل شعر ادبی سرگرمیوں اور

مشاعروں کے فردغ کے لیے کچھ حجابِ اردو سرگرم عمل ہیں۔ محبوب نگر میں
 حضرت عبدالرزاق خان صولت ایڈوکیٹ کی ایک ایسی شخصیت تھی جو مشاعروں
 کے انعقاد سے دلچسپی رکھتی تھی جن کے زمانے میں بے شمار مشاعرے ہوتے تھے جن
 میں جبر آباد کے صنفِ اول کے شاعروں کے ساتھ ساتھ باصلاحیت لوہوان
 شاعروں نے بھی شرکت کی ہے صولت صاحب کے زمانے میں محبوب نگر میں مشاعروں
 میں بعض سبیر شاعروں میں عبدالعزیز عزیز، نصرت فاروقی کا نام بھی لیا جاتا
 ہے صولت صاحب کی بے دور میں محبوب نگر میں مشاعروں میں نہ صرف جبر آباد
 کے شاعروں کو ہی مدعو کیا کرتے تھے بلکہ اقلاد کے شاعروں کو بھی مدعو کیا کرتے تھے
 ڈاکٹر علی احمد جلیلی اندازاً ۲۵ برس محبوب نگر میں رہے جن کی وجہ سے بھی شعری
 ادبی ماحول پروان چڑھا رہا۔ صولت صاحب اپنے ساتھیوں میں سب سے
 زیادہ مخمک رہے۔ چاہے سرکاری مشاعرہ ہو کہ غیر سرکاری مشاعرہ وہ ہمیشہ
 پیش پیش رہتے تھے۔ میں نے صولت صاحب کی دعوت پر کئی مشاعرے
 پڑھے ہیں وہ شعر و شاعری میں سناٹے تھے اور خوب داد دیتے تھے صولت صاحب
 نے کئی برس تک شاعری کی شمع کو روشن رکھا اور اس کو میواؤں کی ردیں آنے نہیں
 دیا۔ صولت صاحب کے تمام بیٹے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے اب ان کے افراد
 خاندان بیرون ملک سعودی عرب وغیرہ میں مقیم ہیں۔ صولت صاحب کا
 گھرانہ تعلیم یافتہ گھرانہ ہے صولت صاحب نہایت واضح دارِ شریف النفس
 انسان تھے ان کی تپتی شاعرانہ زندگی میں صولت صاحب کو محبوب نگر میں شعروادب
 کی شمع کو روشن رکھنے میں ہمیشہ مصروف پایا۔ وہ جب کبھی محبوب نگر میں بڑا مشاعرہ

منعقد کرنے کے موقف میں رہتے تو جیدر آباد پہونچ جاتے۔ سید محمد سیات
 آفس آتے اور اکثر دفعہ محبوب حسین جگر صاحب کے مفنورہ سے جیدر آباد کے شعراء
 کا انتخاب کرتے تھے شعراء کو بڑے اہتمام سے مدعو کرتے ان کے آنے جلنے کے
 لیے کار کا انتظام ہو جاتا۔ گیسٹ ہاؤس میں پڑاتے اور ان کے طعام کا معقول
 انتظام کرتے تھے ان کے دور میں بعض شعراء جو مے نوشی کے طالب رہتے ان
 کے لیے بھی معقول انتظام ہو جاتا۔ بعض شعراء لازماً شریک جام و مینا رہتے
 تھے ایسے شعراء صولت صاحب کے لیے مشکلات پیدا کرتے تھے کیونکہ وہ شعراء
 مے نوشی کے بعد وقت مقررہ پر مشاعرہ گاہ نہیں پہونچتے تھے جس کی وجہ سے انتظامی
 حیثیت سے وہ پریشان ہو جاتے تھے اس کے باوجود ان کے مشاعرے کامیاب
 رہتے تھے محبوب نگر کے مشاعروں میں سید شہیدی، علی احمد جلیلی، طالب رزاقی
 اوج یعقوبی، خیرات ندیم کے علاوہ راقم الحروف نے کئی مشاعروں میں شرکت کی
 بعض مشاعروں میں، میں نے شہد صدیقی، سلیمان اریب اور ابن احمد ناک کو بھی
 دیکھا ہے۔ اس دور میں طالب رزاقی، خیرات ندیم، سید شہیدی غرض کلام شعراء
 کی حیثیت سے بہت شہرت رکھتے تھے جو فرمائش پر ایک سے زائد مرتبہ
 اپنا کلام سناتے تھے۔ ٹاؤن ہال (مشاعرہ گاہ) شنائقین مشاعرہ سے
 بھرا ہوا رہتا تھا۔ محبوب نگر کا ہر مشاعرہ کامیاب رہتا تھا محبوب نگر
 کے لوگوں کو مشاعرہ سننے کا یہ حد شوق ہے آج بھی مشاعروں میں
 ٹاؤن ہال کی تمام کرسیاں بھری ہوئی رہتی ہیں مشاعرے بھی بد نظمی کا
 شکار نہیں ہوئے۔ صولت صاحب کے زیر اہتمام منعقدہ تقریباً ہر

مشاعرہ میں ہیں نے شرکت کی ہے اپنے دور کے تمام اعلیٰ عہدہ داروں کے علاوہ شہر کی معزز شخصیتوں (بلا تخصیص مذہب و ملت) سے ان کے مراسم تھے اس زمانے میں نصرت فاروقی انجمن ترقی اردو کے معتمد تھے جو اردو کے مسائل سے پوری ذمہ داری کے ساتھ دلچسپی رکھتے تھے صولت صاحب کے رفقاء کے کاران سے مکمل تعاون کرتے تھے۔ صولت صاحب کو میں نے ہمیشہ سفید برقعہ کی شبیر والی زیب تن کیے ہوئے دیکھا ہے۔ عرصے پیری ایک رفیق دیرینہ کی طرح ان کے ساتھ رہتا تھا۔ "سیاست" آتے تھے تو سب سے پہلے جگر صاحب سے ملاقات کرتے تھے مشاعرہ کا سلسلہ ہو تو جگر صاحب تھے آواز دیتے اور کہتے صولت صاحب آئے ہیں محبوب نگر میں مشاعرہ کرنا چاہتے ہیں ان سے تعاون کرو اکثر دفعہ جگر صاحب کے اجلاس پر ان کی موجودگی میں حیدر آباد کے شعراء کا انتخاب کیا جاتا تھا کبھی صولت صاحب میری نشست تک آ جاتے اور شعراء کو مدعو کرنے کے سلسلے میں تبادلہ خیال کیا جاتا۔ جب فہرست مکمل ہو جاتی تو میں پوری ذمہ داری کے ساتھ شعراء کو مدعو کرتا اور ہم مقررہ وقت پر ذریعہ کار محبوب نگر پہنچتے تھے زیادہ تر گیٹ وادڑ میں طعام کا انتظام رہتا تھا ایک دفعہ یوں ہوا کہ ڈنر میں شعراء کے لیے میٹھا کم پیر گیا۔ صولت صاحب پریشان پریشان دکھائی دینے لگے۔ مشاعرہ کا وقت قریب آ رہا تھا چاہتے تھے کہ شعراء بروقت مشاعرہ گاہ پہنچیں۔ سربانڈ کے بعد شعراء کے سامنے میٹھا پیش کیا گیا تو پلیٹ میں

بہت کم بیٹھا تھا منتظرینِ مشاعرہ نے چچے سے میٹھا پھیل دیا تھا خیرات ندیم
 بہت زندہ دل شاعر تھے انہوں نے جب دیکھا کہ صرف دو چچے میٹھا ان کی
 پلیٹ میں پھیل دیا گیا ہے تو خیرات ندیم صاحب نے صولت صاحب کو
 بلوایا اور کہا میٹھا کہاں ہے؟ صولت صاحب نے کہا کہ میٹھا آپ کے
 سامنے ہے خیرات ندیم صاحب نے کہا کم مقدار بیٹھے کو کچھ اس طرح پھیل
 دیا گیا ہے کہ معلوم ہو رہا ہے کہ پلیٹ پر پینٹنگ کی گئی ہے زیر دست قہقہہ
 سے ماحول زعفران زار ہو گیا۔ صولت صاحب شرمندہ ضرور ہوئے لیکن انہوں
 نے خیرات ندیم صاحب کی بات کا اثر نہیں مانا۔ صولت صاحب تہایت
 وضع دار اور بے حد مخلص اور ادب نواز شخصیت تھے صولت صاحب نے
 اپنی زندگی میں بزمِ سخن کی بنیاد ڈالی تھی جو آج بھی کام کر رہی ہے اُن کے
 فرزند محمد نذیر احمد خاں بزمِ سخن کے سربراہ ہیں اپنے والد محترم کی روایت
 کو باقی رکھتے ہوئے بزمِ سخن کی جانب سے کبھی کبھی شعری محفلوں کا انعقاد عمل میں
 لاتے ہیں مجھے اس بات کا پوری طرح علم نہیں ہے کہ محبوب نگر میں صولت صاحب
 کے ہم خیال محباں اُردو کون کون ہیں لیکن اتنا مانتا ہوں کہ نصرت فاروقی
 انیسویں صدی نے بھی اُردو زبان کے مسائل کے سلسلے میں بہت سے جملے انجمن ترقی اُردو
 کی جانب سے منعقد کیے۔ محبوب نگر کے متوطن وزیر اوقاف جناب ابراہیم علی
 انصاری کے دور میں بھی انجمن ترقی اُردو کی بہت سی تقاریب ہوئیں۔ جناب عابد
 علی خان مدیر سیاست، شریکِ محترم و نائب صدر مرکزی انجمن ترقی اُردو آصفہ پور
 نے کئی بار محبوب نگر کے اُردو جلسوں میں شرکت کی۔ اس بات سے انکار نہیں

کیا جاسکتا کہ ہر دور میں کچھ ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے نام اور کام سے
 لوگ واقف رہتے ہیں۔ محبوب نگر کے ادبی ماحول کا جہاں کہیں بھی ذکر آتا
 رہے گا وہاں عید الرزاق خان صولت صاحب کا نام بھی ضرور لیا جائے گا
 میں نے اپنی شاعرانہ زندگی میں جب سے مشاعرے پڑھا شروع کیے
 اُس وقت سے صولت صاحب کی حیات تک محبوب نگر میں صولت صاحب
 کو مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں سرگرم عمل پایا۔ میں نے ہمیشہ ایسے
 بزرگانِ شعر و ادب کی دل و جان سے عزت کی جو زبان و ادب کی خدمت
 میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ مجھے صولت صاحب اس وجہ سے بھی یاد ہیں کہ
 انہوں نے محبوب نگر میں مشاعروں کی وساطت سے اردو کی شمع کو روشن رکھا
 وہ شمع اردو ایک کامیاب تسلسل کے ساتھ آج بھی جل رہی ہے ۛ

ایک سیدھے سادے انسان کو پُر وقار بنادیتی ہے وضع دار لوگ سنجیدہ، مبتنی اور صلح کل مزاج کے حامل ہوتے ہیں ہر آسان اور مشکل موقع پر قدم کی نگاہوں سے دیکھ جاتے ہیں۔ اصل مسئلہ شخصیتوں کے تعین کا ہے، ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ وضع داری کہیں 'تضع'، بناوٹ اور ظاہر داری جیسے غیر مبہم، غیر درست صور حال سے نزدیک تو نہیں ہے؟ اچھے بُرے انسان کی پہچان بہت مشکل ہے زندگی کے سفر میں ایک ایسا لمحہ بھی آتا ہے کہ وضع دار شخص اپنی وضع داری کی اعلیٰ صفا سے مزین ہونے ہوئے بھی کچھ ایسے حالات کا شکار ہو جاتا ہے جس سے اُس کا اعتبار کم ہو جاتا ہے۔ ہم نصیر بھی دیکھا ہے کہ بعض وضع دار شخصیتیں کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں اپنی روش پر قائم رہتے ہیں اور اپنی ساری زندگی کو پُر وقار انداز میں گزارتے ہیں صحیح معنوں میں جن شخصیتوں کو وضع داروں کی فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے ان میں ایک نام محبوب نگر کی سربراہ شدہ شخصیت نامور شاعر و صحافی عید العزیز عزیز کا بھی ہے عزیز صاحب یکم اکتوبر ۱۹۲۲ء کو محبوب نگر میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں میرٹھ کا میاب کیا اور ۱۹۴۳ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے مٹھی فاضل کی سند حاصل کی۔ میں عبد العزیز عزیز صاحب کو زائد از ۱۴ سال سے جانتا ہوں۔ عزیز صاحب سے میری شناسائی محبوب نگر میں کل ہند شاعر کے سلسلے میں ہوئی تھی اُس زمانے میں غلام دستگیر قریشی صاحب محبوب نگر کے کلکٹر تھے اُس مشاعرہ میں حسرت جے پوری اور جمینا قاضی بھی شرکت کی تھی حیدرآباد سے تقریباً ۱۲، ۱۴ مشاعرہ دعوتے عزیز صاحب اُس مشاعرہ کے کنوینر تھے حیدرآباد کے مقبول و مشہور شعراء میں سینئر مشاعرہ جی مدعوتے اور جونیئر شاعر بھی۔

ایم۔ اے۔ عزیز

محبوب نگر کی سربراہ درہ شخصیت۔ شاعر و صحافی

وضع داری نے ہمیشہ شخصیت کی نشوونما میں اہم رول ادا کیا ہے جہاں
کہیں بھی کسی شخصیت کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے "فلان شخص وضع دار ہے" تو
اس سے یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ وہ شخص نیک صفت، اصول پسند دیانت دار،
باسروت، مہذب، معتبر اور پُر وقار ہوگا۔ وضع داری کسی انسان کی اعلیٰ خصوصیات
اس کے رکھ رکھاؤ اور معاشرہ میں اس کی اعلیٰ حیثیت کو ظاہر کرنے کے لیے نمایاں کردار
ادا کرتی ہے۔ وضع داری سے یہ بھی مطلب نہیں لیا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنے مخصوص
لباس، شرافت، نفیس اور اپنی ملتساری سے ہی دوسروں کے دل جیت لیتا ہے بلکہ یہ
زیادہ صحیح ہے کہ وضع داری ایک مخصوص شخص کی تمام اعلیٰ و ارفع خوبیوں کو اجاگر
کرتی ہے۔ اگر ہم سنجیدگی سے جائزہ لیں تو ہمیں اپنے معاشرہ میں بہت سے
وضع دار لوگ مل جائیں گے۔ لیکن ان کی پہچان کے لیے ان کے پس منظر، ان کے
پیش منظر اور ان کی زندگی کے سارے لمحات کا تجربہ بھی ضروری ہے وضع داری

وہ مشاعرہ اس لیے بھی یادگار رہا کہ رات کے ایک بجے کے بعد شروع ہوا راستے میں
 سوٹر کا خراب ہونے کی وجہ سے حیدر آباد کے شاعر کافی دیر سے پہنچے۔ شعور کے
 انتظار میں اس خیال سے کہ شعرا رہیں ایسے گئے۔ مشاعرہ کی سرخواستگی کا اعلان
 کیا گیا لیکن بعد میں مشاعرہ ہوا۔ عزیز صاحب بہت پریشان رہے۔ اس
 حادثاتی مشاعرہ کے بعد عزیز صاحب سے پتہ نہیں کہاں کہاں ملاقات ہوتی
 رہی لیکن اُس وقت زیادہ ملاقات ہوتی رہی جب ابراہیم علی انصاری (مثنوی
 محبوب نگر) ریاستی حکومت کے وزیر اوقاف تھے۔ ابراہیم علی انصاری صاحب کے
 خاص دوستوں میں عزیز صاحب کا شمار ہوتا تھا ابراہیم علی انصاری ایک زلمے
 میں محبوب نگر میں شعروادب کی محفلوں کی ہمنما تھی انجمن ترقی اردو کی سالانہ کانفرنس
 اور مشاعرہ میں بطورے اہتمام سے مستعد کیا گیا تھا میں ان تقاریب میں شریک تھا
 غاید علی خان صاحب مدیر سبابت نے بھی جوان دنوں انجمن ترقی اردو کے شریک
 تھے شرکت کی تھی۔ نصرت فاروقی ایڈوکیٹ مقتدا انجمن ترقی اردو
 محبوب نگر نہایت فعال و متحرک شخصیت کے حامل تھے اُس زلمے میں محبوب نگر
 کے بزرگ سید شاعر عبدالرزاق مولت ایڈوکیٹ بھی انجمن کی سرگرمیوں اور
 مشاعروں کے اتفاق کے سلسلے میں سرگرم حصہ لیا کرتے تھے عزیز صاحب سے سیکریٹری
 میں بھی ملاقات ہوتی تھی وہ ابراہیم علی انصاری صاحب سے ملاقات کے لیے آتے
 تھے۔ اتفاق سے میرے حکم بنیادیت راج کے اکاونٹس سکشن کے قرب انصاری
 صاحب کا اجلاس تھا انصاری صاحب سے میری بھی اچھی خاصی ملاقات تھی انصاری
 صاحب سے کبھی کبھی برسرِ راہ ملاقات ہوا کرتی تھی انصاری صاحب نہایت

سبک خرام، کم گو، مشرف النفس انسان تھے انتہائی نیک نامی کے ساتھ انہوں نے اپنی وزارت کے فرائض انجام دیئے۔ عزیز صاحب ان دنوں اکثر سیاست آفس آتے تھے عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب سے ملاقات کرتے تھے اگر میں فطر آتا تو مجھ سے بھی مل لیا کرتے تھے عزیز صاحب مختص، صاف گو، صاف طینت، نیک دل وضع دار شخصیت کے حامل تھے عزیز صاحب کی وضع دار مڈ نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا۔ ان کی وضع داری کا اثنا گہرا اثر مجھ پر مرتب ہوا کہ میں کئی برسوں کی ملاقات کو آج بھی تازہ رکھے ہوئے ہوں عزیز صاحب بہت ہی عمدہ شاعر تھے حیدر آباد میں خاص خاص محفلوں میں دکھائی دیتے تھے محبوب نگر کے تمام اہم مشاعروں میں جو ٹاؤن ہال میں منعقد ہوتے ہیں انہیں میں نے ایک کاغذ پر شاعر کی حیثیت سے کلام سناتے ہوئے دیکھا ہے۔ حیدر آباد کی محفلوں میں (دادلہ) میرا شہر میرے لوگ، سوغات فطر اور جاتی میو ریل ایکٹیوی شریک کرتے تھے اور لمبے کلام سے مظلوظ کیا کرتے تھے عزیز صاحب کا کلام سیاست میں شائع ہونے کے علاوہ خوشگام سفر میں بھی شائع ہوتا رہتا تھا حیدر آباد میں ڈاکٹر حسن الدین احمد، استاد کون ڈاکٹر علی احمد جلی سے بھی ان کے گہرے مراسم تھے ڈاکٹر علی احمد جلی سے انہیں شرف تلمذ حاصل تھا کلام تخت میں سناتے تھے سوغات نظری جانب سے کچھ عرصہ پہلے ان کی شاعری کو شخصیت کے موضوع پر ادبی اجلاس کا اہتمام کیا گیا تھا عزیز صاحب غزلوں کے علاوہ عمدہ نظمیں بھی کہتے ہیں سیاست میں ان کی غزلوں کے ساتھ ساتھ ان نظمیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں وہ سیاست سے گہری وابستگی رکھتے ہیں محبوب نگر

کی سماجی، سیاسی، ادبی خبریں سیاست میں اشاعت کے لیے روانہ کرتے تھے۔
 اچھے صحافی ہیں ایک جریدہ "تعمیر" کے نام سے شائع کرتے تھے محبوب نگر
 کی تقریباً تمام ادبی، علمی و تہذیبی انجمنوں اور اداروں سے وابستہ تھے محبوب نگر
 کے صفِ ادب کی اعلیٰ مرتبت شخصیت ہونے کی وجہ سے اہلیانِ محبوب نگر ان
 کی دل سے قدر کرتے تھے عزیز صاحب کا کوئی مجموعہ کلام شائع نہیں ہوا۔
 میں اتنا جاننا ہوں کہ انہوں نے مختلف اوراق میں محفوظ اشعار کو
 ایک جاکہ باندھا۔ عزیز صاحب سے ملاقات کرنے والا ہمیشہ شگفتگی و تروتازگی
 محسوس کرتا تھا ان کا تبسم ریز لب و لہجہ مخاطب کو متاثر کرتا ہے۔ رکھ رکھاؤ کے
 انسان تھے اپنی کلاسیکی روش پر قائم پسیراتی وضع قطع کو ترجیح دیتے تھے اعلیٰ
 روایات، انسانی رشتوں اور تہذیبی اقدار کی پاسداری کرتے تھے محبوب نگر کی مقبول
 شخصیت تھی تمام اہلیانِ محبوب نگر میں ایک بزرگ شہری ہونے کی وجہ سے بھی
 ان کی تعظیم کرتے تھے عزیز صاحب یاں کھانے کے عادی تھے سگریٹ سے اجتناب
 کرتے تھے عزیز صاحب مصلحتی زندگی گذاری۔۔۔ عمر کا ایک طویل فاصلہ طے
 کرنے کے باوجود وہ گرم سفر سے رفاں دواں شخصیت کے حامل تھے زندگی
 کی صلح روایت کے ترجمان تھے یارِ ہاشم ہمدرد اور دوستی کے قابل انسان تھے
 ان سے کوئی شخص ایک دفعہ دوستی کے مشعل میں بندھا جاتا ہے نواہی سے جدا نہیں
 ہوتا۔ شعری و ادبی مصلوں سے دلچسپی رکھتے تھے ان دونوں ادبی تقاریب کے
 اہتمام میں ضرور حصہ لیتے تھے انہوں نے کچھ عرصے پہلے اپنے چند ہم خیال شاگردوں
 ادیبوں اور دوستوں کے تعاون سے جلدِ اعتراف خدماتِ ڈاکٹر علی احمد جلیلی

کا محبوب نگر میں کامیاب انھوں نے کیا۔ جناب زاہد علی خان صاحب نے اس اہم
 تقریب کا افتتاح کیا تھا بشمول میرے مشاعرہ میں ڈاکٹر علی احمد جلیلی، رئیس
 اشرہ، ڈاکٹر صادق نقوی، شیخ اقبال، جناب محب کوثر، وقار ریاض وغیرہ
 نے شرکت کی تھی۔ میزبان منتخب مشور نے بھی کلام سنایا تھا۔ نائب صدر کمیٹی
 سکریٹری اقبال اکیڈمی محبوب نگر عبدالرحیم نے بھی اس تقریب کے اہتمام میں
 شخصی دلچسپی لی تھی مشاعرہ کے ناظم سلیم عابدی تھے اس موقع پر ایک دستاویز
 سادہ نیرٹو لکھنے کے نام سے شائع ہوا جس کے مرتب عبدالعزیز عزیزی ہیں
 عبدالعزیز عزیزی جب کبھی سیاست آفس آتے ہیں اگر میں موجود رہوں تو
 مجھ سے ضرور ملاقات کرتے ہیں۔ میں عزیزی صاحب کے خلوص کا اسیر ہو چکا تھا
 میری یہ خواہش رہی تھی کہ وہ حیدرآباد میں اہم مشاعروں میں شرکت کرنے
 رہیں۔ میں نے عزیزی صاحب کو کل ہند اتحاد المسلمین کے سالانہ کل ہند نمائندہ
 مشاعرہ میں مدعو کیا تھا۔ مشاعرہ دکن کے مشاعروں میں وہ بھی پابندی سے شرکت
 کرتے رہے۔ عزیزی صاحب ایک اچھے شاعر تھے عمدہ صافی تو تھے ہی لیکن
 ایک واضح دارمہذب شائستہ، پیر وقار شخصیت کی حیثیت سے بھی ہم سب
 کی نظروں میں تھے۔ میں عزیزی صاحب جیسی معتبر شخصیتوں کی ہمیشہ قدر
 کرتا رہا ہوں۔ قدر کرتا رہوں گا۔ ان کا وجود اہل محبوب نگر کے لیے باعث
 افتخار تھا۔

صابر شاہ آبادی

(پاراش، قلم شخصیت، معروف سچا خط)

مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والی شخصیتیں اُن لوگوں کو کبھی نہیں
 معمول سیکھیں جو اُن کی زندگی کی اولین ساعتوں میں ہم رکاب رہی ہیں۔ ہر
 انسان کو کسی نہ کسی شعبہ زندگی سے لازماً واسطہ رکھنا پڑتا ہے کسی بھی شعبہ سے وابستہ
 ہو جانے کے بعد اُس مخصوص شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے مراسم کا آغاز ہو ہی
 جاتا ہے صابر شاہ آبادی کو جب میں ایک مشاعر کی نظر سے دیکھتا تھا، تو ان میں وہ تمام
 شاعرانہ خوبیاں نظر آتی تھیں جو ایک کلاسیکل شاعر کا حصہ ہوتی ہیں مجھے کبھی بھی اس
 بات سے دُپٹی نہیں رہا کہ کوئی ناقص کار اپنی نئی زندگی میں کس حد تک سُرخ رو رہا ہے
 ایک عام بات ہے کہ ایسا غم اپنا ہوتا ہے اپنی مشکلات اپنی ہوتی ہیں لوگ
 مشکلات میں گھرے لوگوں کے ایک حد تک ہم سفر رہتے ہیں منزل تک ساتھ نہیں
 دیتے پتہ نہیں وہ کون لوگ ہوں گے جو منزل کوں تک ہم سفر رہتے ہیں۔ ہر انسان
 اپنی زندگی کو سوار نے بنانے اور اُس کو بلندی سے ہم کنار کرنے کے لیے کوشاں رہتا ہے

ہر شخص کو وہ سب کچھ نہیں ملا جس کا وہ مستحق رہتا ہے۔ صابر شاہ آبادی نے اپنی زندگی گزارنے کے لیے آسودگی سے قربت چاہی ہوگی یقیناً ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ معاشی اعتبار سے بھی مطمئن رہے۔ بہر حال جس کی قسمت میں جو کچھ ہوا ہوتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ صابر شاہ آبادی ایک عام آدمی کی طرح معاشرہ میں سانس لیتے رہے۔ لیکن خدا نے اسے قدوس نے انہیں شاعرانہ صلاحیتیں ودیعت کر دیں اور بہت جلد انہیں شاعرانہ حیثیت کو شعروادب کے حلقوں تک پہنچانے میں کامیاب رہے۔ صابر شاہ آبادی ایک خوش کلام شاعر تھے وہ زائد از ۲۰ برس تک شعروادب کی خدمت کرتے رہے۔ صابر شاہ آبادی ۲۱ جنوری ۱۹۳۲ء کو شاہ آباد میں پیدا ہوئے۔ ۵ کتابوں کے مصنف ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے (۱) رحمت تمام (نعتیہ مجموعہ کلام) (۲) سلسلہ انوار (نعتیہ و منقبتی مجموعہ) (۳) قومی و سیکی نظمیں (۴) شریک وفا (مجموعہ غزل) (۵) ضامن نجات (نعتیہ کلام کا مجموعہ) آل انڈیا ریڈیو گلبرگ سے ان کا کلام نشر ہوتا رہا۔ شعری و ادبی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۷۱ء میں جشن صابر شاہ آبادی کا اہتمام کیا گیا تھا ان کے شاگردوں میں رزاق اشرف، عزیز گجراتی، ساگر شولاپوری اور پیر ویزا خورشید آبادی قابل ذکر ہیں ان کا انتقال ۱۹۹۶ء میں ہوا۔ گلبرگ میں ادبی ماحول اور مشاعروں کی گہما گہما نے ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ شاہ آباد اور گلبرگ کا فاصلہ کچھ زیادہ نہیں ہے وہ گلبرگ کے تقویتا ہر مشاعرہ میں شرکت کیا کرتے تھے۔ صابر شاہ آبادی سے میری شاعرانہ جان بہان کی مدت زائد از تین دہے ہے۔ میں نے صابر شاہ آبادی کے ساتھ کئی مشاعرے پڑھے ہیں گلبرگ میں متعدد مشاعروں

میں ہی نہیں گلبرگہ کے اس پاس کے علاقوں بیدر، کلیانی، راجپور، ظہیر آباد وغیرہ میں بھی ستم شاعروں میں شرکت کی ہے صاحبزادہ آبادی کے ساتھ میں نے بعض کل ہند مشاعرے بھی بڑھے ہیں خاص طور پر پہرہ بھنی، نانڈیہ کے مشاعروں میں ہم ساتھ ساتھ رہے۔ غالب صدی تقاریب کے سلسلے میں یونیاں مستعدہ مشاعرہ میں ہم نے شرکت کی تھی۔ صاحبزادہ آبادی ترنم میں کلام سناتے تھے۔ ان کا ترنم اپنے ایک مخصوص بانچین اور اپنے ایک منفرد انداز کا آئینہ دار مودا کرتا تھا۔ صاحبزادہ آبادی نے ہر مشاعرہ میں ایک کامیاب شاعر کی حیثیت سے اپنی شناخت بے زور رکھی ہے۔ کلیانی (یسو کلیان) میں حضرت عطا کلیانوی کی زیر نگرانی مستعدہ مشاعروں میں ہم بار بار ملتے رہے ہیں کلیانی میں حضرت تاج الدین شیر سوار اور سید احمد شاہ کے مشاعروں میں بھی شریک رہے ہیں ظہیر آباد کے اہم شاعر حکیم جمالی کی بزم سخن کے تقریباً تمام سالانہ مشاعروں میں شریک رہے گلبرگہ میں سید احمد صاحب کی زیر نگرانی سالانہ مستعدہ نعتیہ مشاعروں میں پابندی سے شرکت کرنے تھے۔ اس دور کے کرناٹک کے مشہور شاعروں میں حضرت عطا کلیانوی رشید احمد رشید (بیدر) سرد مرزائی، ڈاکٹر راہی قزوینی، عبد الرحیم آرزو، سلیمان عطیب (گلبرگہ) نے اپنی اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کے بل بوتے پر شعری ادب میں نام کمایا۔ یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ گلبرگہ یونیورسٹی کے حضرت عطا کلیانوی احمد رشید احمد رشید کے فن اور شخصیت پر تحقیقی مقالے لکھے گئے ہیں ریسرچ کا یہ کام پروفیسر عبد الرزاق فاروقی صاحب شعبہ اردو گلبرگہ یونیورسٹی کی شخصی دلچسپی کا ثمر ہو کر منت ہے صاحبزادہ آبادی نے جہاں عمدہ غزلیں کہی ہیں وہیں انہوں نے

متاثر کرنے والی عقیدت میں ڈوبی ہوئی تعینیں بھی کہی ہیں۔ صابر شاہ آبادی حیدر آباد کرناٹک کے مقبول شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ صابر شاہ آبادی کو میں نے مشاعروں میں ہمیشہ ترنم میں کلام سناتے ہوئے دیکھا ہے بعض ایسے شاعروں کو بھی میں نے دیکھا ہے جو کسی خوشی یا غم یا سیرت کے ترنم میں کلام سناتے ہیں لیکن صابر شاہ آبادی کا ترنم خود اُن کا اپنا تھا۔ مانگے کا آجلا نہیں تھا۔ صابر شاہ آبادی ایک یارِ باطن، خوش مزاج، فتنہ دل اور دوستی کے قابل انسان تھے ان کی مختصر ری زندگی کچھ سرِ علم پیر اُن کا ساتھ دیتی رہی۔ انہوں نے بہترین شاعر ہونے کے باوجود کبھی غلی سے کام نہیں لیا۔ کبھی اس بات کا احساس نہیں دلا یا کہ وہ اپنے ہم عصر شاعروں میں سب سے بہتر ہیں یا اُن کے برابر اپنا شاعرانہ قدر رکھتے ہیں انہوں نے ادبی حلقوں میں ہمیشہ اپنی شاعرانہ حیثیت کو برقرار رکھا۔ یہ اُن کا پسندیدہ عمل ہی اُن کی مقبولیت کا ضامن ہے نہایت سادہ طبیعت، ہنس مکھ خوش مزاج، قناعت پسند، باسروت اور باکردار مخلص انسان تھے۔ ان کی اچھائیوں اور اُن کی خوبیوں کی ایک طویل فہرست اُن کے وہ قریبی دوست پیش کر سکتے ہیں جو اُن کے ساتھ اپنا زیادہ وقت گزارتے تھے۔ ایک شاعر کی حیثیت سے میں نے انہیں جس رنگ میں بھی دیکھا وہ پکار رنگ تھا۔ جو ہر موسم میں برقرار رہا۔ اور وہ پکار رنگ اُن کی شرافت اور اُن کی طبیعت کی والہانہ بے ساختگی ہے صابر شاہ آبادی نے شاعرانہ لباس شہوانی کی تو قبر بڑھائی۔ حیدر آباد کے بعض مشاعروں میں انہوں نے شرکت لکھی ہے حضرت ادج بھٹی اور حضرت خیرات ندیم صاحب سے ان کے اچھے خاصے مراسم تھے ان کی دعوت پر

پراہنوں نے حیدر آباد میں متعدد بعض مشاعروں میں شرکت کی ہے گلبرگہ کے تمام
 شاعروں سے ان کے دوستانہ مراسم تھے بشکوک کے مشاعروں میں بھی ان کا ساتھ
 رہا ہے شاہ آباد کے شاعروں وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے شعری ادب میں بیڑا نام
 کیا ہے ان کے شاگرد دوست رزاق اختر بھی شاہ آباد کے شاعروں میں
 اہم مقام رکھتے ہیں رزاق اشرف صاحب سے میری ملاقات حابر شاہ آباد کے توسط سے ہی
 ہوئی تھی روایت کے تسلسل کے طور پر حابر شاہ آباد کے بیٹوں کو بھی شعرو شاعری سے
 دلچسپی ہے گلبرگہ کے مشہور و ممتاز شاعر محب کوثر سے بھی ان کے دوستانہ روابط ہیں
 محب کوثر کے استاد نامور شاعر پنڈت دامودر زکی (کوڑنگل) سے بھی ان کے شاعرانہ
 مراسم تھے حابر شاہ آباد نے ان کے ساتھ کئی مشاعرے پڑھے ہیں۔ پنڈت دامودر
 زکی نے بھی ناعمر اردو شاعری کی خدمت کی ہے ان کے کئی شاگرد شعر و ادب کی دنیا
 میں فہرت حاصل کر چکے ہیں حابر شاہ آباد کا کلام ملک کے ادبی رسائل میں شائع ہوتا تھا
 حیدر آباد کے اخبار سیاست میں بھی ان کا کلام شائع ہوتا تھا۔ یہ محسوس کرتے ہوئے
 افسوس ہوتا ہے کہ جیسے جیسے قدیم شعراء اٹھتے جا رہے ہیں ان کے نعم البدل مشکل
 سے ہی نظر آتے ہیں یہ صحیح ہے کہ سلسلہ روز و شب میں ہم بھی اسیر ہیں اور اپنے
 اپنے انداز سے اپنی صلاحیتوں کے ساتھ اپنی زندگی گزار رہے ہیں لیکن وہ لوگ جو
 معاشرہ کا ناقابل فراموش شخصیتیں ہیں بہت کم ملتے ہیں حابر شاہ آباد بھی ان
 ہی مشہور و معروف لوگوں میں سے ایک ہیں جنہیں معاشرہ کے یا شعور لوگ
 یاد رکھیں گے۔ خاص طور پر شعر و ادب سے تعلق رکھنے والے لوگ ان کی شاعرانہ
 عظمت کا اعتراف کرتے ہیں گے۔

وہد مرزا

(کامیاب وکیل، اردو کے خدمت گزار اور مشہور سخنور)

شعر و ادب کی دنیا میں ایسے بھی قلم کار ملیں گے جو اپنے مخصوص پیشے پر کم توجہ دیتے ہوئے اردو زبان کی ترقی و بقا کے لیے سرگرم عمل رہا کرتے ہیں اس طرح کے لوگ آج کے دور میں ہی نہیں بلکہ ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ جذبہ خدمت چاہے وہ زبان و ادب سے تعلق رکھتا ہو یا کسی بھی مخصوص پیشے سے وہ قابلِ تحسین ہے۔ قدرت جس شخص سے جو کام لینا چاہتی ہے لیتی رہتی ہے جو لوگ کسی شعبہ میں دل و جان سے مصروف رہا کرتے ہیں ان کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ وہ سچے خدمت گزار ہیں اور اپنی دھن میں کچھ اس طرح کی خدمت انجام دے رہے ہیں جو دوسروں کے لیے قابلِ تقلید ہے۔ بہت کم یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اردو کا کوئی قلم کار اردو تحریک سے جڑا ہوا نہ ہو۔ اخلاص آندھرا پریش کے شاعروں، ادیبوں، صحافیوں میں بہت سے نام نمایاں ہیں زبان و ادب کے سلسلے میں بعض اس قدر سرگرم عمل

رہے ہیں کہ ان کے نام ادبی حلقوں میں اہمیت کے ساتھ لیے نہ ہیں۔
 زبان و ادب خاص طور پر شاعروں کے اہتمام کے سلسلے میں نظام آباد
 بھی حرف اول کی طرح رہا ہے۔ حیدر آباد کے قریب کے اضلاع میں نظام آباد
 محبوب نگر، ونگل کی ادبی سرگرمیاں شہرت رکھتی ہیں۔ ان اضلاع کے علاوہ
 اور اضلاع میں بھی بہت سے شاعریں کے جو شعرو سخن سے وابستگی رکھتے
 ہیں اور زبان کی ترقی و ترویج میں کام کر رہے ہیں۔ ہر ایک زمانہ میں ہر
 ضلع کا ادبی ماحول قابل رشک نظر آتا تھا لیکن اب وہ بات نہیں رہی پھر
 بھی جن اضلاع میں زبان و ادب کا کام ہو رہا ہے وہ قابل تحریف ہے۔
 مرزا وحید بیگ نظام آباد کے سیکرٹری و مینیجر شاعروں میں کچھ زیادہ اہمیت
 کے حامل تھے جنہوں نے شاعری سے زیادہ اپنا وقت اردو زبان کی سرگرمیوں
 کے لیے دیا۔ اپنے دور میں بے شمار متاعرے منعقد کیے۔ کئی اردو کانفرنسوں
 کا انعقاد عمل میں لایا۔ انجمن ترقی اردو سے بھی انہیں گہری وابستگی ہے۔
 نظام آباد میں ہونے والے بڑے بڑے جلسوں، کانفرنسوں اور شاعروں
 کے انعقاد میں پیش پیش رہتے تھے انجمن ترقی اردو سے متعلق ہر مسئلہ
 کو ایوان حکومت تک پہنچانے میں شخصی دلچسپی لیتے تھے سکریٹری انجمن
 (حیدر آباد) کا ہدایت اور اپنے اختیارات سے بہت سے ادبی کام انجام
 دیتے۔ انجمن ترقی اردو سے ان کی وابستگی کے زمانے میں کئی بار شاعروں
 میں، میں شرکت کر چکا ہوں۔ شاعروں کا انعقاد ہو کہ کانفرنسوں کا اہتمام
 اپنے پیشہ وکالت کی مصروفیات کو متاثر کرنے سے باز رہا۔ اردو کا کام کرتے تھے۔

مرزا وحید بیگ ایک کامیاب وکیل تھے کئی موکلین کی معمولی فیس پر خدمت انجام دیتے تھے اس کی وجہ ایک تو ان کا مستحکم معاشی موقف تھا دوسری اہم بات یہ ہے کہ وہ ضرورت مند لوگوں کی خدمت انجام دینے میں غریبوں سے کام لیتے تھے غریب موکلین کی خدمت بغیر فیس کے بھی انجام دیتے تھے مرزا وحید بیگ صاحب نظام آباد کے خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ان کا اصل نام مرزا وحید بیگ ہے ان کے والد کا نام رفیع احمد بیگ ہے۔ وحید مرزا ۲۶ نومبر ۱۹۲۹ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں مامو عثمانیہ سے بی اے اور پھر ایل ایل بی کا امتحان کامیاب کیا۔ پی ایچ ڈی کالٹ سے وابستہ ہو گئے۔ اردو اکیڈمی کے رکن بھی رہے اور کارگزار صدر بھی۔ اردو اکیڈمی کے علاقائی سنٹر نظام آباد سے بھی وابستہ رہے۔ ساؤتھ انڈیا اردو اکیڈمی سے بھی دلچسپی رکھتے تھے ان کے چار شعری مجموعے اہم لوگ، اے امیر کارواں اندرا گاندھی، بزم انجم اور اندازِ غزل شائع ہو چکے ہیں اردو اکیڈمی آندھرا پردیش نے ۲۰۰۱ء میں انہیں کارنامہ حیات کے ایوارڈ سے نوازا۔ ان کا ۲۰۰۲ء میں انتقال ہوا۔ مرزا وحید بیگ بہت اچھے انسان تھے نظام آباد میں یہاں شاعروں کی میزبانی میں پیش پیش رہتے تھے نظام آباد کے شہریوں میں ان کا ایک اہم مقام تھا انہوں نے مسلمانوں کے سبب ستر مسائل کی یکسوئی کی۔ حکومت کے عہدہ داران سے ان کے اچھے خاصے مراسم تھے چاہے وہ زبان وادب کے معاملات ہوں کہ مسلم اقلیت کے مسائل ہوں۔ وہ کامیاب رہبری و پیروی کے نقطے تھے مرزا وحید بیگ سے میرے شاعرانہ مراسم تقریباً ہم بزم رہے۔ ابید مرزا صاحب نے فوج نظام آباد کے کئی شاعروں میں

مدعو کیا۔ یہاں تک کہ وہ بودھن میں ہونے والے مشاعروں میں بھی مدعو کیا کرتے
 تھے انتقال سے کچھ برس پہلے وہ زیادہ تر حیدر آباد میں مقیم رہتے تھے مہدی بیٹم میں
 ان کا مکمل رہنے والا رہا۔ ادارہ میراٹھ میرے لوگ، ایوان پریس، منظم ماہ، صحیح، خوشنود
 احمد جانی میموریل اکائیڈمی اور سوغات نظر کے مشاعروں اور ادبی جلسوں میں
 شرکت کرتے تھے شہر کے بعض نمائندہ مشاعروں میں بھی کلام سناتے تھے وحید مرزا
 تحت میں کلام سناتے تھے ترقی پسند خیالات کے حامی تھے ان کے کلام میں ترقی پسند
 خیالات جاہ جالیوں کے، ان کی کئی نظمیں ترقی پسند خیالات کی ترجمان ہیں انہیں
 ترقی اردو و حیدر آباد کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے مشاعروں میں مدعو کیے جلتے
 اردو مجلس کے مشاعروں میں بھی شرکت کرتے تھے نظام آباد کے مشاعروں میں ماہنامہ
 ”گنج“ کے مدیر نامور شاعر جمیل نظام آبادی سے بہت قریب تھے اردو کے بڑے
 جلسے اور مشاعرے ان دونوں کی مشاورت سے طے پاتے تھے وحید مرزا اردو
 کے ایک خاموش خدمت گذار تھے۔ پیر خلوص، ہمدردان تھے حیدر آباد میں ادبی
 بیسیوں شاعر دوست ہیں جو بکھرے کھلاں و دماغ رکھنے والی شخصیت تھے اس
 ان کی دوستی کا حلقہ بڑھتا چلا گیا۔ کل ہمدرد و تعلیمی کمیٹی کے جلسوں اور مشاعروں
 میں شرکت کرتے تھے اردو اکائیڈمی کے مشاعروں اور جلسوں میں بھی شرکت کیا کرتے
 بہت سے ادبی و شعری معاملات میں میرے ہم خیال تھے وحید مرزا تمام زندگی
 وضع داری پر قائم رہے۔ ادبی محفلوں میں اپنی شرکت سے یہ اشارہ دیتے تھے
 وہ شریف النفس، اصول پسند، مہذب انسان ہیں۔ آداب محفل کا خیال
 تھے مشاعروں، ادیبوں سے اپنی رقم درآہ کو استوار رکھنے تھے اردو کے بہترین شعراء

میں ان کا شمار ہوتا ہے مخدوم فی الدین، شاہد صدیقی، سلیمان اریب سے بھی ان کے مراسم تھیں لینے کلام پیران شعراء کے کلام کی داد و ستھیں سے سرور ہا کھوتے تھے کبھی کبھی اپنی شاعری کے بارے میں لکھتے تھے کہ مخدوم فی الدین اوشا ہد صدیقی میری شاعری پسند کرتے تھے۔ اخبار سیاست میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا ہے آل انڈیا ریڈیو سے اکثر دفعہ انہوں نے اپنا کلام سنایا۔ غزالوں کے ساتھ ساتھ نظمیں بھی سناتے رہے۔ جید آباد میں ڈاکٹر علی احمد جلیلی اور پروفیسر مفتی تبسم کی شاعرانہ و ادیبانہ قدر و قیمت کا اعتراف کرتے تھے جید آباد کے ان سے جو نیر شاعروں میں راقم الحروف اور رئیس ختر کو پسند کرتے تھے مرزا وجید بیگ نے اپنی ساری زندگی باوقار انداز میں گزاری۔ خوش اخلاق، خوش مزاج خوش لباس انسان تھے وجید مرزا کا تھ بڑا کادہ تھا داد و دہش کے معاملے میں حاجت مندوں کی دعائیں لینے رہے۔ نظام آباد کے قرقہ وارانہ فسادات کے سلسلے میں مسلمانوں کی حکومت کے سربراہوں سے بھرپور نمائندگی کرتے رہے۔ نظام آباد میں ان کی کافی عزت تھی انجنیئر قاری اور کی سرگرمیوں کے سلسلے میں مولوی حبیب الرحمن صاحب عابد علیجاں سے انکی قربت تھی۔ دفتر سیاست آئے تھے عابد علیجاں صاحب اور محبوب بن جگر صاحب سے انکے دیرینہ مراسم تھے۔ مرزا وجید بیگ کے وجود سے ادبی فصول اور مشاعروں میں شگفتگی کا احساس ہوتا تھا اچھے اور مقبرانان تھے اپنی شاعری کے بارے میں بے نیاز تھے نظام آباد میں گذشتہ ہمیرگو میں شعر و ادب کی دنیا میں میرے زیادہ شہرت وجید مرزا کو حاصل تھی سماجی طور پر ملین شاعر اور ایک کامیاب ایڈوکیٹ تھے اردو کے سچے خدمت گزار تھے مجھے ایسے ایک غصے انسان کی مستقل جدائی کا ہمیشہ احساس رہے گا۔

حکیم جمالی

قلندرانہ طبیعت رکھنے والے مخلص شاعر

شعر و حکمت سے وابستہ لوگ یہ ہے وہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں کیوں نہ ہوں معاشرہ میں اپنی ایک مخصوص پہچان کے ساتھ رواں دواں رہتے ہیں فنون لطیفہ سے وابستگی ایک فن کار کو اس کی اپنی دھن، اپنی فکر اور اپنی ایک خاص دنیا سے کچھ اس طرح جوڑ دیتی ہے کہ وہ اُسی میں مست و سرشار رہتا ہے کچھ فن کار ایسے بھی ہوتے ہیں جو پوری طرح دنیا داری کو نبھانے ہوئے اپنے فن کے فروغ میں معروف رہتے ہیں۔ چونکہ ان کے مزاج میں بیشتر صلہ قبول میں تضاد رہتا ہے اس لیے کس فن کار کے بارے میں طبیعت سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا فن کس طرح کا ہے اور وہ کس منزل پر پہنچ جائے گا۔ فنون لطیفہ میں شاعری کو جو اعزاز حاصل ہے وہ کسی اور فن میں نہیں ہے اس لیے تمام فنون لطیفہ میں شاعری کو اولیت دی گئی ہے یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ شاعری تمام علوم و فنون میں سب سے زیادہ اعلیٰ و ارفع مقام رکھتی ہے لیکن دیگر علوم و فنون جیسے رقص و

موسیقی، سنگ تراشی و مصوری بھی شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں فن کار کے فن کارانہ وجود کے لیے کسی ایک خاص علاقہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں کیوں نہ رہے اپنے فن کے مظاہرہ سے ساری دنیا کو متوجہ کرتا ہے لیکن جہان نگ وسائل اور تشہیر کا مسئلہ ہے وہ ہر فن کار کے مفاد کی بات ہے عام طور پر گاؤں، دیہاتوں اور اضلاع کے مقابلے میں شہروں میں رہنے والے فن کاروں کو اپنے فن کے اظہار کے لیے زیادہ مواقع میسر آتے ہیں۔ مثلاً دیہی وجہ ہے کہ گاؤں اور شہر کے درمیانی دیوار کی وجہ سے بعض اضلاع کے فن کار وہ شہرت نہیں پاسکے جو شہر کے فن کار پاسکے۔ حیدر آباد ہر دور میں شعر و ادب کے لیے ایک اہم مرکز رہا ہے۔ یہاں فنون لطیفہ کو پردہ ان چڑھنے میں کافی سہولیتیں ملیا ہیں مختلف فنون سے وابستہ لوگ اپنے اپنے فن کی خدمت میں مصروف ہیں اور جن میں بعض شاہکار کا درجہ رکھتے ہیں حیدر آباد کے اضلاع میں بھی مختلف فنون سے وابستہ لوگ اپنے محدود وسائل کے باوجود اپنے فن کو ترقی دینے میں نہ صرف مصروف ہیں بلکہ اپنے فن کا احساس دلانے کے لیے نئے نئے وسائل کے متلاشی بھی ہیں لیکن اس کا کیا کیا جاکے کہ کچھ فن کار اپنی افتاد طبع اور اپنے ایک مخصوص مزاج کی وجہ سے اپنے آپ میں مست رہا کرتے ہیں۔ افتاد طبع کی کسی تصویر میں رنگے ہوئے ایک شاعر حکیم جالی بھی تھے جو ظہیر آباد کے متوطن تھے۔ حکیم جالی کا تعلق شعبہ درس و تدریس سے تھا بیروں اس پیشہ سے وابستہ رہے۔ جالی اپنی شاعرانہ وضع داری میں اپنی آپ مثال تھے میں اپنی ۱۲ سالہ شاعرانہ زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے جب سابق ریاست حیدر آباد کے اضلاع کے شاعروں پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے رشید احمد رشتید (مدیر) سلیمان خطیب، سرد مرزا، ڈاکٹر ای، عبد الرحیم آرزو

(گلبرگ) عطا کلبانوی (بسواکلیان) صابر شاہ آبادی (شاہ آباد) مسافر نکلندوی (فلکندہ)
 حضرت صولت (محبوب نگر) پنڈت داسودرڈکی (کوڑنگل) اور اس طرح کچھ اور
 شاعروں کی بے ساختہ یاد آتی ہے جو اپنے اپنے رنگ میں اپنی منفرد پہچان کے ساتھ
 شعر و ادب کی خدمت انجام دیتے رہے۔ حکیم جمال سے میرے سراسم زائد اہم برس سے
 تھے ظہیر آباد میں انہوں نے جناب ایم باگاریڈی سابق ایم اے و سابق ایم پی و
 رہنما وزیر کی مشاورت سے ۱۹۵۲ء میں شعری و ادبی انجمن بزم سخن کے نام سے قائم کی تھی۔
 بزم سخن کے مشاعرے سارے اضلاع کے شاعروں میں شہرت رکھتے تھے حیدر آباد کے مشہور و
 معروف شاعر بھی ان مشاعروں میں شریک رہے ہیں جن میں ادراج یعقوبی، کنول پرشاد
 کنول، سلیمان اریب، خیرات ندیم، طالب رزاقی، ابن احمد تاب کے علاوہ اس دور
 کے نوجوان شعراء بھی شریک رہا کرتے تھے۔ باگاریڈی صاحب نے ہمیشہ ان مشاعروں کی
 سرپرستی کی۔ حکیم جمال، باگاریڈی صاحب کے قریب ترین دوستوں میں تھے دونوں ہم وطن
 بھی تھے اس لیے بھی ہر موسم میں ان دونوں کی دوستی مثالی رہی۔ ظہیر آباد کے شاعروں میں
 میں رشید احمد رشید، عطا کلبانوی، سلیمان خطیب، سردر زائی، صابر شاہ آبادی اور
 ڈاکٹر راہی فیزیکی بھی شرکت کیا کرتے تھے۔ حیدر آباد سے میں اور رئیس خٹرنے ظہیر آباد میں
 بزم سخن کے زیر اہتمام منعقد کئی مشاعرے پڑھے ہیں۔ حکیم جمال نے اپنی شخصی دلچسپی سے
 ظہیر آباد میں شعروں و شاعری کا ماحول بنایا۔ ظہیر آباد میں کئی نئے شاعروں کی سرپرستی کی۔
 ایہاں ظہیر آباد نے بلا تخصیص مذہب و ملت مشاعروں کے انصرام و اہتمام میں ساتھ
 دیا۔ باگاریڈی کا ظہیر آباد میں کافی اثر تھا جس کی وجہ سے مشاعرے منعقد کرنا آسان
 رہا۔ بعد میں بزم سخن کی ادبی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ بزم سخن کی شعری و ادبی سرگرمیوں کے

ایک اہم وصف تھا۔ نہایت مخلص دوستی کے معیار کو سمجھنے اور دوستی کو سلیقے سے نبھانے والے انسان تھے جب کبھی وہ ظہیر آباد میں کٹھا بٹرا مشاعرہ منعقد کرنا چاہتے یا اردو کانفرنس کا انعقاد ان کے پیش نظر رہتا تو وہ مجھ سے ضرور رابطہ پیدا کرتے تھے بعض دفعہ مجھ سے پیر و گرام کے سلسلے میں مشورہ کرنے کے لیے حیدر آباد آتے تھے حکیم جمالی نے شاید ہی حیدر آباد کے کسی مشاعرہ میں شرکت کی ہو البتہ بیدر، گلبرگہ، کلیان کی مشاعروں میں شرکت کرتے تھے حکیم جمالی نے اپنی ساری زندگی شاعرانہ انداز سے گزاری۔ خوش حالی اُن سے بہت دور رہی۔ دوسروں کی مدد کے لیے پیش پیش رہا کرتے تھے ظہیر آباد پر اگر اردو کانٹری مسئلہ سرکاری سطح پر توجہ کا طالب رہتا تو وہ فی الفور باگا ریڈی صاحب سے رجوع ہوتے تھے۔ ظہیر آباد میں باگا ریڈی اور حکیم جمالی نے اپنی منفرد پہچان بنالی تھی باگا ریڈی صاحب نے سیکڑی دنیا میں بڑا نام کمایا۔ اور حکیم جمالی نے شعری و ادبی حلقوں پر اپنی شاعرانہ حیثیت سے اپنا مستقل مقام بنالیا۔ حکیم جمالی باگا ریڈی صاحب کے ادبی معاملات میں بھی معاون رہے۔ اُن کی کتابوں کی اشاعت سلسلے میں دلچسپی لیتے رہے۔ باگا ریڈی صاحب کو اردو زبان و ادب سے گہری وابستگی ہے۔ باگا ریڈی صاحب پر منشی فاضل کے ہم جماعت ہیں حکیم جمالی کا ایک مجموعہ ملام قیام تھا۔ یہ ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔ کلام غنیمت میں سنائے تھے اور مشاعروں میں کامیاب رہتے تھے حکیم جمالی نے باگا ریڈی صاحب کی شخصیت پر لکھ گئے معنائیں کثرت ہے اور دھرنی روشن کے نام سے ۱۹۸۲ء میں شائع کی گئی۔ علاوہ "عکس حسن" و "اعترافِ خدا" ایم باگا ریڈی بھی مرتب کیا حکیم جمالی کو طالب علی کے زمانے سے ہی شاعری کا ذوق تھا حضرت حبیب اللہ و قاسم علی صاحب شاعر اور اسلاف نے ان کے ذوق شعری کو نکھارا ہے۔

تعلیمی احسن

میرے شفیق استاد۔ محترم شخصیت

وہ اساتذہ جو کسی طالب علم کی ابتدائی تعلیم کے زمانے میں کچھ زیادہ ہی نہریاں رہے ہیں وہ دیگر اساتذہ کے مقابلے میں اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔
 اب علم انہیں کبھی نہیں بھلا سکتے۔ آج سے ۵۰ سال پہلے کے اساتذہ کی بات
 لی کچھ اور غفلتوں تو میری ابتدائی تعلیم کے زمانے میں میرے پہلے استاد میرے
 آیا تھے جن سے میں نے اردو اور عربی کی ابتدائی تعلیم پائی۔ مجھے یاد نہیں کہ مجھے
 سکول میں میرے کس ماموں یا کس ماموں زاد بھائی نے شریک کروایا تھا میرے
 چچن میں میرے والد محترم کا انتقال ہوا۔ میرے گھر کے لیے کوئی معاشی مسئلہ
 نہیں تھا۔ چھوٹی زمین راری تھی۔ قول سے کھیتوں کی کاشت کروائی جاتی تھی اس
 ریلے میں ایسا رواج تھا کہ کاشت کار محنت کرتا کاشت کے لیے صرف بیج کھیت کے
 یا لکپن دیا کرتے تھے۔ میں ۱۹۳۵ء میں ہمنما آباد عمید میں پیدا ہوا۔ میں
 چچن میں بہت صحت مند تھا۔ تھا تو کم عمر لیکن بڑی عمر کا دکھائی دیتا تھا تاریخ

پیدائش اندازہ سے لکھوا لگئی۔ میں نے ابتدائی تعلیم کے بعد ہمت آباد کے اسکول میں تعلیم پائی۔ ہفتم کامیاب کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے حیدر آباد آ گیا ہمت آباد میں صرف ایک بڑا اسکول تھا جہاں صرف ہفتم تک تعلیم ہوتی تھی جس کے بانی سلیم الدین صاحب تھے وہ اسی اسکول کے صدر مدرس بھی تھے ان کے انتقال کے بعد اسکول کے صدر مدرس نبی الحسن صاحب بن گئے جو دیوبند کے فاضل نہایت لائق انسان تھے۔ اُس دور کے میرے استادوں میں نبی الحسن صاحب کے علاوہ علیم الدین، محمد قاسم، رشید صاحب، سید محمد صاحب، جبار صاحب، امجد علی صاحب اور ایک ہندو استاد تھے جو ڈرائنگ سکھاتے تھے غالباً میں جماعت چہارم کا طالب علم تھا اُس وقت نواب بہادر یار جنگ اسکول کے معائنے کے لیے آئے تھے مجھے یاد ہے کہ انہوں نے میرا نام پوچھا تھا اور نام کی بمعنی بھی دریافت کیا تھا میں اسکول کا ایک ذہین طالب علم سمجھا جاتا تھا میری اردو اور فارسی کا بہت اچھی تھی جس زمانے میں اسکول کے صدر مدرس سلیم الدین صاحب تھے اُس زمانے میں تعریف کے بعد (محمد علی صاحب) اسکول میں داخل ہونے سے پہلے طلباء جمع ہوتے اور تا ابد خالق عالم یہ حکومت باندھتے تھے عثمان علی خان بادشاہ وقت تھے اُس دور کے ہر اسکول میں یہ اشعار پڑھائے جاتے تھے اسکول میں داخل ہونے سے پہلے مسلم طلباء سے یہ پوچھا جاتا تھا کہ فجر کی نماز کس کس نے پڑھی؟ کس نے نہیں پڑھی؟ جن طلباء نے نماز نہیں پڑھی ان کی نشاندہی متعلقہ استاد کرتے تھے نماز پڑھنے والے طلباء کو صرف سلیم صاحب سزا دیتے تھے اور سب کی ایک بڑی چھڑی سے ہتھیل پر اس طرح مارتے کہ ہتھیلی مار کی جوت

سے پھیلی ہو جاتی۔ سلیم صاحب کو ان کی زندگی کے آخری دنوں میں فلاح ہو گیا تھا اس کے باوجود وہ ایک بیل کی بندلی میں بیٹھ کر اسکول آتے۔ ان کے ہاں ایک ڈنڈا رہتا تھا کبھی کبھی ڈنڈا ہتھیل پر مارنے ڈنڈے کی مار سے ہتھیلی سرخ تو نہیں ہوتی تھی لیکن مار کی وجہ سے دیر تک جھنجھا اٹھتی تھی۔ میرے ہم جماعت طلباء میں بہ نام یاد رہ گئے ہیں۔ رشید میاں، خورشید، گریا دیا اور اگر ٹی۔ رشید میاں۔ حیدر آباد میں ہیں خورشید گلگر میں مشہور وکیل ہیں۔ گریا دیا کا انتقال ہو چکا ہے اور پیر پکشا اگر ٹی ہمت آباد میں مشہور وکیل ہیں۔ میرے والد تاجر پارچہ تھے اور جامع مسجد ہمت آباد کے خطیب بھی تھے والد کے انتقال کے بعد میرے والد کے کارویاں میرے حقیقی چھوٹی زاد بھائی عبدالحق صاحب جو میرے بہنوئی بھی تھے نے سنبھالا۔ میرے سات ماموں تھے جن میں کچھ تاجر تھے کچھ ملازم سرکار۔ میرے دو ماموں کا تعلق پیشہ درس و تدریس سے تھا۔ اور ایک ماموں حیدر آباد میں تھے جو تھے جن کا تعلق محکمہ پولیس میں محرر کی حیثیت سے تھا اور ایک ماموں حبیب الدین اندر شریف میں صیغہ دار تھے ان دنوں میرے حقیقی بہنوئی غوث محی الدین حیدر آباد میں ملازم سرکار تھے جن کا محکمہ مال سے تعلق تھا وہ الیکٹرک کی حیثیت سے سبکدوش ہو گئے، چونکہ ہمت آباد میں مڈل اسکول تک تعلیم ہوتی تھی۔ مڈل کامیاب کرنے کے بعد میں اعلیٰ تعلیم کے لیے حیدر آباد آیا جبکہ میری والدہ اور میرے سرپرست بہنوئی، میرے چچا اور ماموں صاحبان یہ چاہتے تھے کہ میں ہمت آباد میں تجارت کروں۔ لیکن میں

نے اپنی والدہ کو رخصت کیا اور حیدر آباد آ گیا۔ حیدر آباد آنے کے بعد سے آج تک کی میری طویل زندگی کے بارے میں میں کچھ نہیں کھوں گا۔ اس لیے کہ مجھے اپنے استاد نبی الحسن کے بارے میں لکھنا ہے یعنی مڈل اسکول کی تعلیم کے زمانے تک بنی الحسن صاحب دیوبند کے فاضل تھے۔ بے حد لائق و فائق استاد تھے۔ فارسی زبان کے ماہر تھے جماعت ہفتم میں اردو فارسی پڑھاتے تھے۔ مولوی نبی الحسن صاحب، سلیم صاحب کے انتقال کے بعد صدر مدرس بنے۔ ان کی رہائش اسکول سے متصل مکان میں تھی وہ تنہا اس مکان میں رہتے تھے ان کے بیوی بچے مطلقاً نگر (یوپی) میں رہتے تھے اگرچہ اسکول کا چیرا ان کے گھر پر متعین تھا لیکن وہ خود پکاتے تھے۔ ہم کچھ طلباء کو فارک گھر پر بھی پڑھاتے تھے بہت بڑا مکان تھا مکان کے اندر پیشی دالان کے بعد کھلی زمین تھی جو ہمیشہ ہری بھری رہتی تھی اس زمانے میں کون کون سے طلباء ان سے فارسی سیکھتے آتے تھے ان کے نام نہیں معلوم۔ لیکن میں پابندی سے ان کے ہاں جاتا تھا بعض دفعہ وہ مجھے شریک طعام بھی کرتے تھے وہ جوار کی روٹی بہت شوق سے کھاتے تھے۔ میں نے دیکھا ہے جوار کی گرم گرم روٹی میں ادھر کے حصہ کو علیحدہ کر کے دُوجھے خالص گھی ڈالتے تھے روٹی اس قدر لذیذ ہوتی تھی کہ اس کا مزہ مجھے آج بھی یاد ہے میری فارسی عام طلباء سے اچھی تھی تمام طلباء میں، میں ان کا شاگردِ رشید تھا مجھے یاد ہے کہ جب میں مڈل اسکول کا طالب علم تھا تو وہ مجھے اس قابل بنادیتے تھے کہ میں فارسی میں مضامین لکھتا تھا۔ وہ میری فارسی دانی سے بے حد خوش ہوتے تھے کبھی کبھی شام میں استاد مخدوم نبی الحسن صاحب سے ملاقات کے لیے ہمن آباد کے

منتظم پولیس نظام الدین بھی آتے تھے نہایت وجیہ انسان تھے جو میرے ماموں
 عبدالغفور صاحب کے اچھے دوست تھے۔ نظام الدین صاحب بھی پولی کے
 تھے شاید اس لیے بنی الحسن صاحب سے ان کے اچھے خاصے مراسم تھے وہ
 اُس دور کے بہت ہی قابل منتظم پولیس تھے بنی الحسن کا ایک بیٹا بھی تھا جو
 کچھ عرصہ ہمت آباد کے اسکول میں زیر تعلیم رہا۔ بنی الحسن صاحب کو کبوتروں کے
 شکار کا بہت شوق تھا ان کا نشانہ اچھا تھا کبھی کبھی شام کے وقت ندی
 کے کنارے شکار کے لیے چلے جاتے تھے اپنے ساتھ رکھتے تھے دو تین کبوتروں کا
 شکار کرتے تھے بنی الحسن صاحب دراز قد، نہایت خوبصورت انسان تھے۔
 ایک عام استاد کی حیثیت سے بھی شہرت رکھتے تھے اور صد مدرس بننے کے بعد ان
 کا انتظامیہ قابل رشک حد تک مشہور تھا سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اُس
 دور کے تمام اساتذہ دیانت داری اور فرض شناسی کے جذبہ کے تحت اپنے
 فرائض انجام دیتے تھے۔ اسکول کے سب سے جو نیر استاد علیم الدین چھوٹی
 جماعتوں میں اردو پڑھاتے تھے اُس زمانے میں ہر مضمون کے علاوہ علیحدہ
 استاد ہوتے تھے دینیات اور اخلاقیات کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ
 دی جاتی تھی۔ غالباً میرے ہفتم جماعت کی طالب علمی کے زمانے میں عبدالجبار
 اور اسماعیل صاحب استاد مقرر ہوئے تھے میں تمام اساتذہ کا احترام کرتا
 تھا مجھ پر یہ کیا موقوف تھا تمام طالب علم اپنے اساتذہ کا احترام کرتے آتے
 لیکن کبھی کبھی بی شرارت نہیں کرتے تھے چونکہ ہماری دکان کے تمام کھاتے
 مرہٹی میں لکھے جاتے تھے کھاتوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے میرے سر پرست

اسکول کے اوقات کے بعد اسکول کے ایک ٹیچر کے پاس مریٹھی سکینے کے لیے بھیجواتے تھے میں نے کچھ دن ایک مندر (منٹھ میں) جو ہمت آباد کے بازار سے متصل تھا چوہنرے پر بیٹھ کر مریٹھی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی لیکن بعد میں سب کچھ بھول گیا میرے ایک شفیق ہندو ٹیچر بھی تھے جو اسکول کے علاوہ اپنے گھر پر طلباء کو ڈرائنگ سکھاتے تھے میں ان کے گھر ڈرائنگ سکھانے کے لیے جاتا تھا پولیس ایکشن کے زمانے میں

میں حیدر آباد میں تھا حالات بہتر ہونے کے بعد ہمت آباد آیا۔ اپنے اسکول کے ساتھی گریا دیا سے ملاقات رہی۔ پھر اس کے بعد ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ دیرپختیا اگر مری سے کبھی کبھی ملاقات ہوتی ہے اس زمانے کے ہمت آباد کے تمام لوگ شیر و شکر کی طرح رہتے تھے ہمت آباد میں تجارت پیشہ بہت سے لوگ تھے بعض دکانیں ایسی ہی تھیں جن کے مالکین ہندو بھی ہوتے اور مسلمان بھی۔ ۵۰ سیرس پہلے جس اسکول میں میں نے اپنی ابتدائی تعلیم پائی تھی اس اسکول کی عمارت کو دیکھنے کے لیے ۵ سال پہلے گیا تھا میں کچھ اکل طرح حیدر آبادی ہو گیا تھا کہ اپنے اسکول کے باب الدافلہ سے ہی واپس لوٹ آیا۔ میں نے دیکھا کہ سب کچھ بدل گیا ہے۔ جب ابتدائی تعلیم کے زمانے کے استاد یاد آتے ہیں فرط عقیدت سے خود بہ خود سر جھک جاتا ہے۔